کے سیمینار منعقدہ ۱۰ ر اگست ۹۶ء کو آخری دن ہم سب شرکاء کو شیخ محمود کی مہمان نوازی کی سعادت حاصل ہوئی، مدرسہ اور خانقاہ کی علمی وروحانی فضا سے ہم سب بے حد متاثر اور خوش ہوئے۔

شیخ سعید نورسی کی مجلسوں میں لوگ جوق در جوق حاضر ہوتے تھے ان کی استنبول کی قیام گاہ کے دروازہ پر لکھا ہوا تھا۔ ''یہاں ہر سوال کا جواب دیا جاتا ہے اور مسائل ومشکلات حل کئے جاتے ہیں، ان کی گفتگو اور ملفوظات بڑے موثر اور سحر انگیز ہوتے تھے چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ حقیقی سعادت۔ مکمل مسرت اور نعمت کا خالص مزہ صرف اللہ تعالیٰ کی محبت ومعرفت سے حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ میں بغیر روٹی کے تو زندہ رہ سکتا ہوں مگر آزادی کے بغیر زندگی گزارنا دشوار ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ونعمت کا بدلہ شکر گزاری ہے۔

۴۔ جاہل دوست، دشمن سے زیادہ نقصان دہ ہوسکتا ہے۔

۵۔ اگر تم اپنے دشمن کو شکست دینا چاہتے ہو تو اس کی برائیوں کا جواب اچھائیوں سے دو۔

۶۔ جو سنت شریفہ پر عمل کا عادی بن گیا تو اپنی عادتوں کو عبادت بنالے گا اور درازی عمر کو ثواب اور خوش گوار انجام۔

۷۔ اخلاص عمل کا ایک ذرہ اخلاص سے خالی ڈھیروں عمل سے بہتر ہے۔

۸۔ نام تبدیل ہونے سے حقیقت نہیں بدلتی ہے۔

۹۔ سب سے بڑی بھول یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو قصوروار نہ سمجھے۔

۱۰۔ اسلام تو سورج کے مانند ہے پھونکوں سی نہیں بجھایا جاسکتا، اور دن کی طرح ہے جو پلک جھپکانے سے تاریک نہیں ہوسکتا، اور اگر کسی نے اپنی آنکھیں بند کرلیں تو تاریکی صرف اسی کے حصہ میں آئے گی۔

●●●

باقی صفحہ ۱۶ کا بقیہ

(۲) عورہ بن زبیر (۳) ابن عمر (۴) شیبہ بن عثمان الحاجب۔ ان سے صرف پانچ روایات مروی ہیں جس کی وجہ ان کی غایت درجہ کی احتیاط پسندی ہوسکتی ہے۔

شیبہؓ بن عثمان الحاجب
(م ۵۹ یا ۵۸ھ)

حضرت عثمان بن ابی طلحہ کے نامور فرزند حضرت شیبہ بن عثمان بھی مکہ کی قابل ذکر اہل علم ہستیوں میں تھے۔ ان سے ان کے والد گرامی کی نسبت سے زیادہ فیض پہنچا۔ اسی بنا پر ان کا حلقہ درس زیادہ وسعت رکھتا ہے۔ چند مستفیدین یہ ہیں۔ (۱) مصعب بن شیبہ (۲) صفیہ بنت شیبہ (۳) ابووائل (۴) عکرمہ مولیٰ ابن عباس (۵) حفیدہ مسافع بن عبداللہ بن شیبہ۔ ان سے بخاری اور ابوداؤد دونوں نے روایت کی ہے۔

المسورؓ بن مخرمۃ بن نوفل بن وہیب بن عبد مناف القرشی (م ۷۳ھ)

ایسی ہی ہستیوں میں ایک ہستی حضرت مسور بن مخرمہ کی ہے۔ وہ اگرچہ بعض دوسرے شہروں میں بھی رہائش پذیر رہے مگر آخر میں دوبارہ مکہ کی طرف لوٹ آئے اور وہیں رچ بس گئے۔ ان سے استفادے کا سلسلہ یہیں شروع ہوا۔ چند تلامذہ یہ ہیں۔ (۱) علی بن الحسین (۲) عروہ (۳) سلیمان (۴) ابن یسار (۵) ابن ابی ملیکہ (۶) عمرو بن دینار (۷) عبدالرحمٰن ابن المنصور (۸) ام ابوبکر۔

●●●

ہمیں ایک بار
خدمت
کا موقع ضرور دیں
کاغذ کی دُنیا میں مشہور ترین نام
پارس پیپرس
پیپر | کرافٹ | دفتی
بائنڈنگ کلاتھ
ناظمہ پلازہ، نیو بلڈنگ، دوکان نمبر ۱۔ گوئن روڈ، لکھنؤ۔ ۱۸
☎ (0) 200446
225933

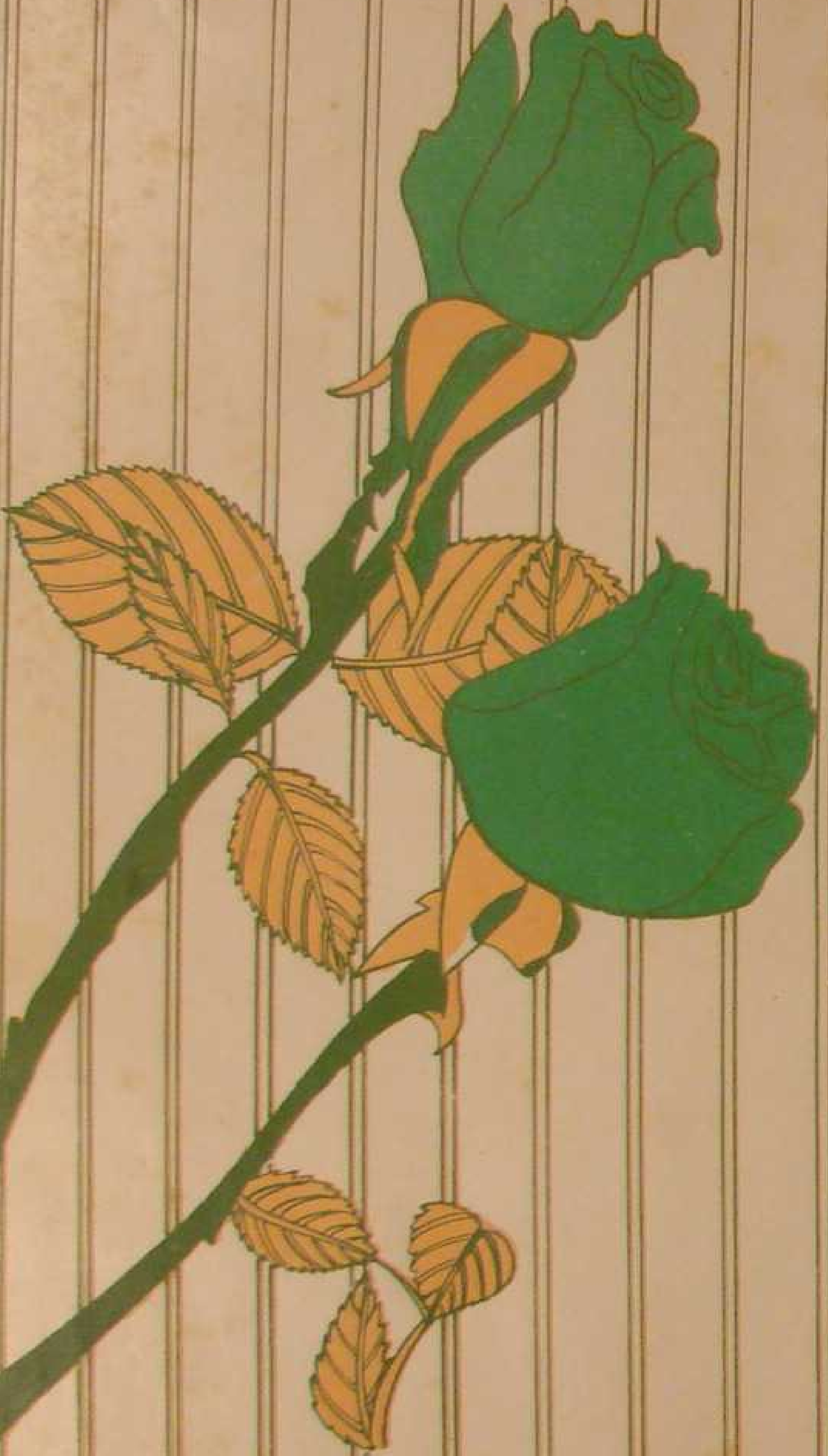

ماہنامہ رضوان لکھنؤ

LW/NP - 184 **RIZWAN** R.N. 2416/57

172/54 Mohammad Ali Lane Gwynne Road Lucknow-226 018.

Ph. 270406

حدیث کی مشہور کتاب

ریاض الصالحین

کا سلیس و شگفتہ اردو ترجمہ

جس میں وہ روایات ہیں جو فضائل اعمال، اخلاق، اصلاح و تہذیب اور زندگی کے روزمرہ احکام و مسائل سے تعلق رکھتی ہیں

مقدمہ

علامہ سید سلیمان ندوی رح

زادِ سفر

مترجمہ

محترمہ امۃ اللہ تسنیم (مرحومہ)

یہ کتاب

بہترین مصلح مربی اور مرشد کا کام کرتی ہے ہر عنوان کے نیچے قرآن مجید کی آیات مع ترجمہ پھر احادیث میں ذیل عنوانات جگہ جگہ موضوع کی ہدایت کرتے ہیں۔ بہترین کتابت فوٹو آفسٹ کی طباعت

قیمت حصہ اول / روپے۔ قیمت حصہ دوم روپے

بیادگار حضرت مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

۸۸۱۰۳
۱۸۱۹۳۷

جر مد

ماہنامہ رضوان لکھنؤ

جلد ۴۶ مارچ ۲۰۰۲ء شمارہ ۳

ایڈیٹر

محمد حمزہ حسنی

معاونین

- اُمامہ حسنی
- میمونہ حسنی
- اسحاق حسینی
- جعفر مسعود حسنی

سالانہ چندہ

برائے ہندوستان :	۱۰۰ر روپے
غیر ملکی ہوائی ڈاک :	۲۵ر امریکی ڈالر
فی شمارہ :	۹ر روپے

ڈرافٹ پر RIZWAN MONTHLY لکھیں

ماہنامہ رضوان ۲/۵۴/۱۷، محمد علی لین، گوئن روڈ لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۱۸
Phone : 270406

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کیلئے نظامی آفسیٹ پریس میں چھپوا کر دفتر رضوان محمد علی لین سے شائع کیا

کمپوزنگ : ناشر کمپیوٹر لکھنؤ۔ فون: 281223-270119

- اپنی بہنوں سے ...... مدیر ۳
- حدیث کی روشنی ...... امۃ اللہ تسنیم ۴
- بیوی کا مرتبہ ...... مولانا عبدالماجد دریابادیؒ ۶
- فتنوں کی برسات اور اس سے بچاؤ ...... مولانا محمد تقی عثمانی ۹
- پہلی صدی ہجری میں ...... محترم محمد عارف ۱۳
- محبت کا کرشمہ ...... مولانا ابوالکلام آزاد ۱۷
- شرک۔ایک عظیم گناہ ...... مولانا مطیع الرحمٰن عوف ندوی ۲۲
- آدم خوری کی لذت ...... مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی ۲۴
- سود کی لعنت ...... پروفیسر عفت گل اعزاز ۲۷
- تھوڑی دیر اہل خیر کے ساتھ ...... پروفیسر محمد یونس نگرامی ۳۱
- امریکی چیرہ دستیاں اور عزائم ...... مولانا سلیم اللہ خاں ۳۲
- شیخ بدیع الزماں سعید نورسی ...... پروفیسر محمد اجتباء ندوی ۳۵

اپنی بہنوں سے

رضوان کا گذشتہ شمارہ دو مہینوں پر مشتمل تھا نظر نواز ہوا ہوگا۔ بعض مجبوریوں کی وجہ سے اکٹھا شائع کرنا پڑا۔ ہمارے بہن بھائی رسالہ کی مجبوریوں کو سمجھتے ہیں اور اس کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں، اس کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔ ہماری پوری کوشش ہوتی ہے کہ رسالہ وقت پر شائع ہو کر پابندی کے ساتھ آپ کو ملے لیکن بعض دفعہ کوشش اپنی جگہ رہ جاتی ہے اور معاملہ کچھ اور ہو جاتا ہے۔

اِدھر ادارۂ رضوان کے لئے چند حادثے ایسے پیش آ گئے جنہوں نے صدمہ سے دوچار کیا لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی پر صابر و شاکر رہنا ہی ہر اہل ایمان کا شیوہ ہے۔ مرضی مولیٰ ہمہ اولیٰ

پہلا حادثہ: محترم الحاج سیّد ابراہیم حسنی صاحب کی بڑی بیٹی سیّدہ فاطمہ حسنی کی اچانک وفات کا ہے، معمول کی صحت تھی، کوئی بات نہیں تھی، رمضان المبارک کا مہینہ تھا اور سحری کے وقت الارم کی آواز سے ان کی آنکھ کھلی، تھوڑی دیر کے بعد سانس کی تکلیف شروع ہوگئی اور شدت پکڑ گئی، فوراً اسپتال لے جایا گیا، پہنچتے ہی علاج شروع ہوا مگر کارگر نہ ہو سکا اور وفات ہوگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کی عمر چالیس برس تھی اور دو بیٹیاں کم عمر ہیں، اس اچانک حادثہ نے پورے خاندان کو سخت متاثر کیا خصوصاً ان کے والدین کو لیکن الحمد للہ انہوں نے صبر و شکر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور اپنی اولاد کے لئے باعث تسکین ثابت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ ان کی دونوں بیٹیوں کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور ان پر اپنی رحمت و برکت نازل فرمائے۔ آمین۔

دوسرا حادثہ: ہمارے مخدوم و محترم مولانا سیّد طاہر حسینی مظاہری خلیفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کی وفات کا ہے، رمضان المبارک میں ان کی علالت شدت اختیار کر گئی اور پورے رمضان مرض کی شدت رہی، عید کے چند کے روز کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا، وہ مدیر رضوان کے حقیقی خالو تھے اور شفقت و محبت میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان پر تفصیلی مضمون انشاء اللہ شائع کیا جائے گا۔

تیسرا حادثہ: ہماری ممانی سیّدہ رابعہ حسنی جو خال معظم مولانا سیّد ابوبکر حسنی مدظلہ کی شریک حیات تھیں طویل بیماری کے بعد وفات پا گئیں۔ نہایت عبادت گزار، صفائی، طہارت کی مثال تھیں، اسی کے ساتھ امور خانہ داری میں ماہر، اہل قرابت کے حقوق کا خیال رکھنے والی، چھوٹوں پر نہایت شفیق اور مہمان نواز، ایسی ہمہ صفت ہستیاں دُنیا سے ناپید ہوتی جا رہی ہیں۔ ان کے ساتھ برکت بھی رخصت ہوتی جاتی ہے، دہلی میں انتقال ہوا اور وہیں سپردِ خاک ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے اور ان کی صاحبزادی سیّدہ حفصہ حسنی صاحبہ اور ہم سب اہل خاندان کو ان تینوں حادثوں پر صبر جمیل عطا فرمائے۔

امۃ اللہ تسنیم

رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت رضی کا اکرام

إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (احزاب ع۴)

وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ. (حج۔ ع۴)

بیشک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے اور تمہارے گھر والوں سے ناپاکی دور کرے اور تم کو پاک کرے، جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے گا بیشک یہ دلوں کا ادب ہے۔

اہل بیت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت

حضرت یزید بن حیانؒ سے روایت ہے کہ میں اور حصین بن سبرۃ اور عمرو بن مسلم، زید بن ارقمؓ کے پاس آئے، جب ہم ان کے پاس بیٹھے تو ان سے حصین بن سبرۃ نے کہا اے زید تم نے بڑی دولت پائی ہے۔ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، ان کی باتیں سنیں، آپ کی معیت میں لڑے، آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ اے زید تم نے بڑی دولت پائی، اے زید تم نے جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے ہم سے بیان کرو، حضرت زیدؓ نے کہا اے بھتیجے خدا کی قسم میں بوڑھا ہو گیا اور میرا زمانہ پرانا ہو گیا، پس جو کچھ میں تم سے کہوں اس کو قبول کرو اور جو نہ کہہ سکوں اس پر مجبور نہ کرو، پھر کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس تالاب پر جس کا نام خماء ہے (مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے) ہمارے درمیان کھڑے خطبہ فرما رہے تھے۔ اللہ کی تعریف اور ثنا کے بعد فرمایا اے لوگو! میں بھی ایک آدمی ہوں قریب ہے کہ میرے پروردگار کا قاصد میرے پاس آئے اور میں اس کو قبول کروں، میں تم میں دو چیزیں چھوڑنے والا ہوں، ان میں اول اللہ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے بس تم اللہ کی کتاب کو مضبوط پکڑو۔ پھر اللہ کے کتاب کی ترغیب دی اور رغبت دلائی اور فرمایا دوسری چیز میرے گھر والے ہیں۔ تم کو یاد دلاتا ہوں، ان کے بارے میں اللہ کو، حصین نے ان سے کہا اے زید آپ کے گھر والے کون ہیں کیا آپ کی بیویاں آپ کے گھر والوں میں نہیں ہیں؟ حضرت زیدؓ نے کہا آپ کی بیویاں آپؐ کے گھر والوں میں ہیں لیکن یہاں وہ گھر والے مراد ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ کہا وہ کون ہیں؟ حضرت زید نے کہا وہ آل علیؓ ہیں۔ آل عقیلؓ ہیں۔ آل جعفر ہیں اور آل عباسؓ ہیں۔ (حصین نے پوچھا) ان سب پر صدقہ حرام ہے؟ کہا ہاں۔ (مسلم)

اور ایک روایت میں ہے کہ خبردار رہو میں تم میں دو چیزیں چھوڑنے والا ہوں۔ ان میں ایک اللہ کی کتاب ہے وہ اللہ کی رسی ہے جو اس کو پکڑے گا، وہ ہدایت پر ہے جو اس کو چھوڑ دے گا وہ گمراہی پر ہے۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کے گھر والوں کے بارے میں لحاظ رکھو۔ (بخاری)

علماء بڑوں اور بزرگوں کی توقیر

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ. (زمر۔ ع۱۔)

ترجمہ: کہہ دو جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے کیا وہ برابر ہو سکتے ہیں۔ بے شک نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ عقلمند۔

امامت کے لئے کیا ترتیب ہے:

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کی کتاب زیادہ پڑھنے والا ہو، وہ لوگوں کی امامت کرے، اگر قرأت میں سب برابر ہوں تو سنت کا زیادہ جاننے والا امامت کرے۔ اگر سنت میں سب سے برابر ہوں تو جو ہجرت میں مقدم ہو۔ اور اگر ہجرت میں سب برابر ہوں تو پھر جو عمر میں بڑا ہو وہ امامت کرے اور کوئی کسی امام کے اثر کی جگہ امامت نہ کرے اور اس کے گھر میں اس کی عزت کی جگہ پر نہ بیٹھے، جب تک وہ حکم نہ

دے۔ (مسلم)

ایک روایت میں ہے کہ لوگوں کی امامت اس کو کرنا چاہئے جو اللہ کی کتاب سب سے زیادہ پڑھنے والا ہو، اگر قرأت میں برابر ہیں تو جو ہجرت میں مقدم ہے اس کو امامت کرنا چاہئے۔ اگر ہجرت میں برابر ہیں تو جس کی عمر بڑی ہو وہ امامت کرے۔

اہل عقل کو ترجیح

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے شانوں پر ہاتھ پھیرتے تھے اور فرماتے تھے کہ برابر رہو، آگے پیچھے رہو گے تو تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے اور جو تم میں عقل والے ہیں وہ میرے قریب رہیں۔ پھر جو انکے قریب ہیں، پھر جو ان کے قریب ہیں۔ (مسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تم میں عقل والے ہیں وہ میرے قریب رہیں، پھر جو انکے قریب ہیں، آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔ تم بازاروں کے شور و شر سے بچو۔

زیادہ عمر والا مقدم ہے

حضرت ابو یحییٰؓ اور سہل بن ابو حثمہؓ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن سہلؓ اور محیصہ بن مسعودؓ خیبر گئے وہاں پہنچ کر دونوں الگ الگ ہو گئے جب محیصہ عبداللہ بن سہل کے پاس آئے تو ان کو خون میں لت پت قتل کیا ہوا پایا، ان کو دفن کر کے مدینہ آئے۔ عبداللہ بن سہل محیصہ اور حویصہ (یہ دونوں مسعود کے بیٹے تھے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور قتل کا مقدمہ پیش کیا۔ عبدالرحمن بن سہل (مقتول کے بھائی) نے گفتگو شروع کی، وہ چھوٹے تھے، آپ نے فرمایا پہلے بڑا گفتگو کرے۔

زیادہ قرآن کا یاد رکھنے والا مقدم ہے:

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم احد میں ایک قبر میں دو شہیدوں کو رکھتے تھے۔ آپ فرماتے ان میں کون قرآن زیادہ حاصل کرنے والا تھا، جب ان میں سے ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا تو آپ لحد میں اس کو مقدم رکھتے تھے۔ (بخاری)

زیادہ عمر والا مقدم ہے

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نے خواب دیکھا میں ایک مسواک کر رہا ہوں۔ میرے پاس دو آدمی آئے۔ ان میں سے ایک بڑا تھا۔ میں نے چھوٹے کو مسواک دی تو مجھ سے کہا گیا کہ بڑے کو مسواک دو تو میں نے بڑے کو دی۔ (مسلم)

تین شخصوں کی عزت

حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی عزت یہ بھی ہے کہ بوڑھے مسلمان اور عامل قرآن جو اللہ کے حدوں کے اندر ہو، اور منصف بادشاہ کی عزت کی جائے۔ (ابوداؤد)

چھوٹوں پر شفقت بڑوں کی عزت

حضرت عمر بن شعیبؒ سے روایت ہے کہ وہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ہم سے نہیں ہے جو اپنے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور اپنے بڑوں کی عزت نہ کرے۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

ماہنامہ رضوان کے بارے میں تفصیلات
فارم نمبر ۸ کے مطابق

مقام اشاعت : ۲/۵۴ ۱۷، محمد علی لین، گوئن روڈ لکھنؤ۔ ۱۸
وقفہ اشاعت : ماہنامہ
پرنٹر، پبلشر، ایڈیٹر : محمد حمزہ حسنی
ملکیت : مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن
قومیت : ہندوستانی
پتہ : ۲/۵۴ ۱۷، محمد علی لین، گوئن روڈ لکھنؤ۔ ۱۸

میں محمد حمزہ حسنی اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میری سمجھ کے مطابق درست ہیں۔

دستخط

بیوی کا مرتبہ

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

ہجرت کے بعد کا زمانہ ہے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں رونق افروز ہیں۔ ایک بار چودہ شعبان کو شب میں بستر مبارک سے آہستہ سے اٹھتے ہیں۔ روایت بیان کرنے والی حضرت صدیقہؓ ہیں وہ بھی آرام فرما تھیں۔ ردائے مبارک آہستہ سے اٹھاتے ہیں، حجرے کا دروازہ آہستہ سے کھولتے ہیں اور چپکے سے قبرستان بقیع میں مومنین کے حق میں دعائے مغفرت کرنے تشریف لے جاتے ہیں۔ ام المومنینؓ روایت کرتی ہیں تو حضور انورؐ کی ہر جنبش کے لئے "رویدا" استعمال کرتی ہیں، قام رویدا، اخذرداء رویدا وغیرہ معنیٰ "آہستہ" کے ہیں۔ یہ اس وقت ہر عمل میں آخر آہستگی کا اہتمام کیوں؟

جواب دنیا سنے گی؟ شوہروں کو تمام تر خدائے مجازی اور بیویوں کو تمام تر باندی سمجھنے والی دنیا سنے گی؟ آہستگی کا اہتمام اس لئے اور محض اس لئے کہ پاس لیٹی ہوئی عائشہ صدیقہؓ کی راحت میں بلا ضرورت خلل نہ پڑے۔ اللہ اکبر! آج بڑے بڑے نرم مزاج شوہروں میں بھی ہیں کوئی صاحب رفیقۂ حیات کی راحت و آسائش کا اس درجہ اہتمام رکھنے والے؟

جس نے اپنی ازدواجی زندگی اس معیار کے مطابق گزاردی حق پہنچتا تھا اسی کو کہ کھلے لفظوں میں اعلان کرے اور دنیا میں پکاردے "خیرکم خیرکم لأهله وانا خیرکم لاهلی" تم میں بہترین انسان وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے حق میں بہتر ہو مجھے دیکھوں میں اپنے گھر والوں میں بہتر ہوں۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

یا پھر یہی پکار دوسرے لفظوں میں "خیارکم لنسائهم" (ابن ماجہ) تم میں بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کے حق میں بہتر ہو۔

نیکی اور بزرگی کا معیار آپ نے ملاحظہ فرمالیا؟ یہ نہیں کہ دفتروں اور کچہریوں میں دوستوں کے مجمع میں، قومی جلسوں میں کون کیسا نظر آتا ہے، بلکہ بیوی کے ساتھ برتاؤ کس کا نرم ہے، گھر کے اندر صبر و تحمل کا ثبوت کون دیتا رہتا ہے اور جلوت میں نہیں، خلوت میں کون کیسا ہے؟

سسرال جیل خانے کا نام نہیں اور نہ لڑکی شادی کے بعد بیوی سے باندی بن جاتی ہے، آسان تھا بجائے خطبۂ نکاح میں تصریحات کے محض اتنا کہہ کر لڑکی کا ہاتھ پکڑا دیا جاتا کہ "میاں لڑکی نہیں خدمت کو کنیز دی جارہی ہے" ان الفاظ سے دل جو پہلے سے بھر آنے کے لئے تیار ہیں ضرور بھر آتے، لیکن حقیقت کی ترجمانی نہ ہوتی، اسلام میں بیوی کنیز نہیں ہوجاتی، بیوی ہی رہتی ہے۔ تو کیا سب سے بڑے حکیم اور سب سے بڑے حاکم کا یہ فرمان کسی مسلمان تک نہیں پہنچا ہے کہ عاشروهن بالمعروف؟ یہ صیغہ امر بطور حکم ارشاد ہورہا ہے کہ بیوی کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، حسن معاشرت قائم رکھو! قید کسی خاص حالت کی نہیں جوانی میں بھی اور بڑھاپے میں بھی، وہ حسین وجمیل ہو تو، اور حسن وجمال ظاہری سے محروم ہو تو، ڈھیروں مال لے کر آئے جب بھی اور خالی ہاتھ آئے جب بھی عزت رکھتی ہے، شوہر کی آمدنی پر حق رکھتی ہے، حیثیت ومرتبہ رکھتی ہے، لازم ہے کہ لحاظ اس کی عزت کا، حیثیت کا، مرتبے کا رہے ولهن مثل الذی علیهن جیسے مرد کے حقوق عورت کے ذمے ہیں ویسے ہی عورت کے بھی مرد کے ذمے ہیں اور کیوں نہ ہوتے، جب خلقت دونوں کی ایک رکھی گئی ہے اور خلقت کی یکسانی کا گواہ کوئی دوسرا نہیں خود خالق کائنات ہے، واللہ جعل لکم من انفسکم ازواجا اللہ نے تمہاری بیویاں تم ہی میں سے پیدا کیں، تمہاری جنس سے ہے، اس کی فطرت تمہاری فطرت، اس کی خلقت تمہاری خلقت ہے، تمہیں اگر سیم و زر کی طلب ہے تو وہ بھی احتیاج مال سے بے نیاز نہیں رکھی گئی، تم اگر اپنی راحت و آسائش کے بھوکے ہو تو اس کا

جسم بھی خستگی اور تھکن کے اثرات کو قبول کرنے والا بنایا گیا ہے، تمہیں اگر غصہ آتا ہے تو وہ بھی بے حس نہیں پیدا کی گئی ہے، تم اگر اپنی جان و عزت کے طالب ہو، تو وہ بھی اپنی توہین و رسوائی سے خوشی نہیں حاصل کرتی، تم اگر حکومت چاہتے ہو، تو وہ بھی غلامی کے لئے خلق نہیں ہوئی، لوگو! "اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورت دنیا میں پھیلادئے، اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو، اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو! یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کررہا ہے، الفاظ پر غور کرو سارے انسانوں کی مرد ہوں یا عورت اصل ایک ہی ہے، ایک جوڑے سے مردوں اور عورتوں کی ساری نسلیں چلی ہیں۔

جذبات کی یکسانی کے اظہار کا اس سے بہتر طریقہ اور کیا ہوسکتا ہے، پھر حقوق پر صراحت سے ڈرایا ہے، اور حقوق قرابت کے لئے غایت اہتمام یہ ہے کہ ان کے ذکر کا عطف خود اپنے ذکر پر کیا ہے، اور ارشاد ہوتا ہے، ومن ایته ان خلق لکم من انفسکم ازواجا (روم) تم ہی میں سے، تمہاری جنس سے یہیں سے رد ہوا جاتا ہے ان مذاہب باطلہ کا جنہوں نے مدت تک عورت کو بغیر روح کے مانا، ارشاد ہوتا ہے، اور اسے بطور اپنے نشان قدرت کے پیش فرماتے ہیں کہ عورت تمہاری جنس کی چیز ہے۔ تم سے فروتر، پست تر کوئی دوسری جنس نہیں۔ اس کی آفرینش سے یہ غرض نہیں کہ تم اسے باندی بنا کر رکھو، بلکہ وہ تو اس لئے ہے کہ لتسکنوا الیها وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ تم اس سے تسکین و راحت، سکون خاطر حاصل کرو، دونوں کے درمیان رشتہ اور تعلق آقائی اور کنیزی کا نہیں، محبت والفت کا قائم کردیا گیا ہے۔ الفاظ اس قدر صاف اور واضح ہیں کہ حاجت نہ کسی تشریح کی نہ حاشیہ آرائی کی، اصل مقصود زندگیوں کو محبت اور اخلاص سے شیریں بنادیا ہے اور جن لوگوں کی فطرت سلیم ہے، وہاں بحمد اللہ یہی کیفیت پائی جاتی ہے۔ میاں بیوی ایک دوسرے پر فریفتہ رہتے ہیں، لیکن جہاں بدقسمتی سے مذاق فاسد ہوچکے ہیں وہاں کے لئے ارشاد ہوتا ہے، فان کرهتموهن فعسیٰ ان تکرهوا شیئاً ویجعل اللہ فیه خیرا کثیرا (النساء۔۱۹) اگر تمہیں سیرت و صورت میں کوئی عیب معلوم ہو تو تمہیں کیا خبر کہ جو شئے ناپسند ہورہی ہو، اللہ نے اس میں کوئی بڑی مصلحت کوئی بڑی منفعت نہ رکھ دی ہو؟ آیت کے اس ٹکڑے کے ملاحظے کے بعد شوہر کے دل میں کچھ کشیدگی بیوی کی طرف سے باقی رہ سکتی ہے؟

حق افسری مرد کو یقیناً حاصل ہے الرجال قوامون علی النساء مرد کی برتری بالکل مسلم و برحق وللرجال علیهن درجة لیکن جو افسر ہے وہ اپنے حق کا استعمال کیوں کر کرے؟ اس کا جواب بھی قرآن لانے والے کی زبان سے سنئے۔ ابوہریرہؓ صحابی، معلم کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ نصیحت قبول کرو عورتوں کے باب میں نرمی کی، اس لئے کہ ان کی خلقت پسلی سے ہوئی ہے اگر تم اس کو ہموار کرنے کی فکر میں لگے رہے تو اسے توڑ کر رہوگے، اور اگر اس کے حال پر اسے رہنے دوگے، تو کجی بدستور رہے گی، پس نصیحت قبول کرو عورتوں کے باب میں نرمی کی۔

خیال کرکے دیکھئے کہ عورت کے ساتھ بھلائی اور ملائمت کی تاکید کس درجہ ہے، حکم شروع بھی اسی سے ہوا اور ختم بھی اسی پر، درمیان میں ارشاد کی حکمت بیان ہوتی ہے، ٹیڑھی پسلی کو سیدھا کرنے کے درپے ہوجائے تو پسلی بھلا سیدھی ہوسکتی ہے؟ البتہ ٹوٹ کر رہ جائے گی، لیکن اگر کجی کی طرف سرے سے توجہ نہیں کی جائے گی تو خرابی جوں کی توں رہے گی، اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ اصلاح کی کوشش میں لگے رہو! لیکن ہمیشہ نرمی اور سہولت سے، محبت سے۔

آج عجمیت اور ہندویت کے اثر سے فخر اس پر کیا جاتا ہے کہ ہم بیوی سے دبتے نہیں دبا کر رکھتے ہیں لیکن رسول اکرمؐ کو اس پر فخر نہ تھا، وہاں بیوی کی حیثیت، ماما اصیل کی، پیش خدمت کی، لونڈی، باندی کی نہیں، اللہ کی بخشی ہوئی بہترین نعمت کی تھی۔

ابوامامہ صحابی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ مومن کے لئے تقویٰ الٰہی کے بعد کوئی نعمت نیک

سیرت بیوی سے بڑھ کر نہیں۔

مبارک ہیں وہ نعمت والے جو نعمت کی قدر پہچانیں۔ ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ اس فانی اور ناپائدار دنیا کی نعمتوں میں کوئی نیک سیرت بیوی سے بڑھ کر نہیں۔ عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا چند روزہ ہے، لیکن اس چند روزہ عیش دنیا میں کوئی شئے نیک سیرت بیوی سے بڑھ کر نہیں۔

رسول کو رسول ماننے والے سبق لیں حیات طیبہ کے ان دو اہم ترین واقعات سے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جب پہلی وحی نازل ہوئی تو قلب مبارک پر اس وقت قدرتی بے چینی تھی۔ اس وقت ذات مبارک کو تسکین دینے والی اور رسالت پر سب سے پہلی ایمان لانے والی ہستی، کسی دوست عزیز کی نہیں، ام المومنین خدیجۃ الکبریٰؓ کی تھی۔ اسی طرح جب روح مبارک کسی کے دیدار کے لئے بے چین، اس جسد ظاہری سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہی تھی تو عین اس وقت سر مبارک کس کے زانو پر تھا، رفیقوں اور عزیزوں میں سے کسی مرد کے نہیں ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کے، یہ ہے اسلام میں بیوی کا مقام۔

سسرال میں بیوی جو کچھ کھاتی ہے، اپنے حق سے، بھک منگی نہیں کہ خیرات سمجھ کر، ترس کھا کر دو چار پیسے اس کے آگے ڈال دیئے، سائل گداگر نہیں کہ رات کی باسی روٹی کے ٹکڑے اس کے دامن میں پھینک دیئے۔

علم وحکمت کی اسی کان میں جس کا نام حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، ایک روایت حکیم بن معاویہؓ کے حوالے سے آئی ہے کہ ایک شخص نے خدمت نبویؐ میں آ کر عرض کیا کہ شوہر پر بیوی کا کیا حق ہے؟ فرمایا کہ شوہر جب خود کھائے تو اسے بھی کھلائے، جب خود پہنے تو اسے بھی پہنائے اس کے بعد یہ الفاظ آئے ہیں:

اس میں عیب نہ نکالے (یعنی صورت، سیرت کی ہجو نہ کرے) اور نہ یہ کہ اسے چھوڑ کر کہیں چلا جائے، رکھے بہر حال اسے اسی مکان میں۔ (ابن ماجہ)

ایک دوسری طویل حدیث کے آخر میں اس سے زیادہ تاکید تصریح کے ساتھ آئی ہے: خبردار رہو کہ بیویوں کا حق یہ ہے (لفظ حق یاد رہے) کوئی رعایت اور کوئی احسان نہیں کہ کھانے اور لباس میں ان کے ساتھ بہتر سے بہتر طریقہ برتو۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

بیوی اپنے شوہر کے گھر میں حاکم ومختار ہوتی ہے۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں ایک باب کا مستقل عنوان یہی رکھا ہے: المرأۃ راعیۃ بیت زوجھا اور اس کے تحت جو حدیث درج کی ہے اس میں یہ الفاظ موجود ہیں، المرأۃ راعیۃ علیٰ بیت زوجھا یعنی عورت حاکم ہے اپنے شوہر کے گھر پر یہ شاعری نہیں حقائق ہیں۔ انشاء پردازی نہیں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام ہیں۔

●●●

باقی صفحہ ۱۲ کا بقیہ

اس کی مظلومیت کے عنوان سے ظالم خواہ اپنی نسل کا ہو اس کے ظلم کی مذمت کر کے ظلم کو روکو اور مظلوم خواہ دوسری نسل کا ہو اس کی مدد کرو لیکن جہاں حق وناحق اور ظلم وانصاف سے قطع نظر محض رنگ ونسل کی بنیاد پر نعرے لگائے جا رہے ہوں عصبیت کا اندھا جھنڈا اٹھا لیا گیا ہو اور کسی بھی طرف حق واضح نہ ہو تو وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف ہدایت یہ دی ہی کہ "تمام فریقوں سے کنارہ کشی اختیار کرو۔" یعنی نہ صرف یہ کہ کسی فریق کا ساتھ نہ دو۔ بلکہ گوشہ نشینی اختیار کرو۔ متعدد احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایات بڑی تاکید کے ساتھ دی ہیں۔ اور مندرجہ ذیل الفاظ ارشاد فرمائے ہیں۔ "اپنے گھروں کے ٹاٹ بن جاؤ (یعنی بلا ضرورت گھر سے ہی نہ نکلو) اپنی کمانیں توڑ دو، تانتیں کاٹ دو اور گھر میں بیٹھ جاؤ۔ اپنی زبان اور ہاتھ دونوں کو سنبھال کر رکھو۔ ایسے فتنے میں بیٹھا ہوا شخص کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا۔ کھڑا شخص چلتے ہوئے سے بہتر ہوگا اور چلتا ہوا شخص بھاگتے ہوئے سے بہتر ہوگا جو شخص ایسے فتنے کو (محض تماشے کیلئے) جھانک کر بھی دیکھنا چاہے گا۔ فتنہ اسے اچک کر لے جائے گا۔" (جامع الاصول ۱۰۔۹ تا ۳۱)

قتل وغارت گری کے اس دور میں (فتنے سے علیٰحدہ رہ کر عبادت میں مشغول ہو جانے کا ثواب ایسا ہے جیسے کوئی شخص (دارالکفر سے) ہجرت کر کے مجھ سے آملے۔ (صحیح مسلم ۲۔۶۔۴۰)

●●●

مولانا محمد تقی عثمانی

فتنوں کی برسات اور اس سے بچاؤ

احادیث نبویؐ کی روشنی میں

"فتنہ" عربی زبان کا لفظ ہے اور لغت میں اس کے اصل معنی یہ ہیں کہ سونے کو آگ پر تپا کر دیکھا جائے کہ وہ کھرا ہے یا کھوٹا چونکہ اس عمل کا مقصد سونے کی آزمائش ہوتا ہے اس لئے ہر آزمائش کو فتنہ کہہ دیا جاتا ہے، جب کوئی بدعملی زمانے کا فیشن بن جائے تو وہ بھی ایک فتنہ ہے کیونکہ یہ انسان کی آزمائش کا موقع ہے کہ وہ فیشن کے آگے ہتھیار ڈالتا ہے یا اس کی حقیقی برائی کا ادراک کر کے اپنے آپ کو اس سے محفوظ رکھتا ہے۔ جب کوئی فکری گمراہی نظر فریب دلیلوں کا ملمع چڑھا کر معاشرے میں پھیلتی ہے تو وہ بھی ایک فتنہ ہے اس لئے کہ اس میں انسان کی بڑی آزمائش ہے کہ آیا وہ ظاہری ملمع سازی سے مرعوب ہو کر حق کو چھوڑ بیٹھتا ہے یا گمراہی کی تہہ تک پہنچ کر اس کا مقابلہ کرتا ہے۔ جب مسلمانوں میں رنگ ونسل کی بنیاد پر باہم خون ریزی شروع ہو جائے تو یہ بھی بڑا زبردست فتنہ ہے اس میں انسان کی آزمائش یہ ہے کہ وہ اپنی نسل اپنی زبان بولنے والوں اور اپنے رشتہ داروں کا ساتھ دے یا حق کو مضبوطی سے تھام کر اپنے صحیح موقف پر ڈٹا رہے جب مسلمانوں کے کسی بھی دو گروہوں میں اختلاف ہو لڑائی جھگڑے کی نوبت آ جائے اور معاملہ اتنا پیچیدہ ہو جائے کہ حق وناحق کا پتہ چلانا دشوار ہو جائے تو یہ سب سے بڑا فتنہ ہے جسے بعض احادیث میں اندھے بہرے فتنے سے تعبیر کیا گیا ہے، کیونکہ یہاں انسان کی آزمائش یہ ہے کہ آیا وہ کسی ایک فریق کا ساتھ دے کر خود بھی اس اندھے بہرے فتنے کا حصہ بن جاتا ہے یا اس فتنے کے انسداد کی کوشش کرتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنے کی ان تمام قسموں کے حالات بہت کھول کھول کر بیان فرما دئے ہیں اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ ان حالات میں ایک مسلمان کو کیا کرنا چاہئے۔ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کے فتنوں کی بڑی فکر تھی۔ آپ نے بار بار مسلمانوں کو ان سے خبردار کیا اور یہاں تک ارشاد فرمایا کہ میری آنکھیں دیکھ رہی ہے فتنے تمہارے گھروں میں اس طرح آ آ کر گریں گے جیسے بارش کے قطرے۔

(صحیح بخاری کتاب الفتن باب ۴)

واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف فتنوں کے جو عمومی حالات احادیث میں بیان فرمائے ہیں ان میں سے بہت سے ایسے ہیں کہ ان کو پڑھنے سے ایسا لگتا ہے کہ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم آج کے ماحول کو واقعی آنکھوں سے دیکھ کر اس کی تصویر کھینچ رہے ہوں۔ آپ نے فتنوں کے بارے میں بتایا ہے کہ:

- زمانہ جلدی جلدی گزرے گا (یعنی بڑے بڑے انقلابات تیزی سے آئیں گے۔)
- نیک عمل کی کمی ہو جائے گی۔
- دین سے ناواقفیت پھیل جائے گی اور دین کا (حقیقی) علم اٹھ جائے گا۔
- بخل اور پیسے کی محبت عام ہوگی۔
- قتل وغارت گری کا بازار گرم ہوگا (بخاری کتاب الفتن باب ۵)
- خود قاتل کو معلوم نہیں ہوگا کہ وہ کیوں قتل کر رہا ہے۔ نہ مقتول کو پتہ ہوگا کہ اسے کیوں قتل کیا گیا۔ (صحیح مسلم حدیث ۸۔۲۹)
- شراب کو شربت کہہ کر حلال کہا جائے گا۔ سود کو تجارت کہہ کر حلال کہا جائے گا۔ رشوت کو ہدیہ کہہ کر حلال کہا جائے گا۔ زکوٰۃ کو تجارت بنا لیا جائے گا۔ (کنز العمال ۱۴۔۲۲۶)
- اولاد (کی خواہش کے بجائے اس) سے کراہت ہوگی اور بارش سے ٹھنڈک کے بجائے گرمی کی سی تکلیف ہوگی اور بدکاری سیلاب کی طرح پھیل جائے گی۔
- جھوٹے کو سچا کہا جائے گا اور سچے کو جھوٹا۔
- خائن کو امانت اور امانت دار کو خائن بتایا جائے گا۔

- غیروں سے رشتہ جوڑا جائے گا اور اپنوں سے توڑا جائے گا۔
- ہر قبیلے اور گروہ کی سربراہی اس کے منافقوں کے ہاتھ میں ہوگی اور
- بازار کی سربراہی اس کے بدکاروں کے ہاتھ میں ہوگی۔
- جو شخص صحیح معنیٰ میں مومن ہوگا۔ وہ معاشرے میں چھوٹی چھوٹی بکریوں سے زیادہ بے وقعت سمجھا جائے گا۔
- مسجد کی محرابیں زرکاری سے مزین ہوں گی لیکن دل ویران ہوں گے۔
- مرد مردوں سے اور عورتیں عورتوں سے جنسی خواہش پوری کریں گی۔
- مسجدوں کے احاطے بڑے بڑے اور منبر اونچے اونچے ہوں گے۔
- دنیا کے ویران علاقے آباد ہوجائیں گے اور آباد علاقے ویران ہوجائیں گے۔
- پولیس والوں کی کثرت ہوگی۔
- عیب چینی کرنے والوں اور چغلی کھانے والوں اور طعنہ دینے والوں کی بہتات ہوگی۔
  (کنزالعمال ۱۴-۲۲۴)
- لوگ نمازوں کو ضائع کریں گے اور امانتیں برباد ہوں گی۔
- سود خوری عام ہوگی اور جھوٹ کو حلال قرار دے دیا جائے گا۔
- لوگ انسان کی جان کی کوئی وقعت نہ سمجھیں گے اور اونچی اونچی عمارتیں بنائیں گے۔
- دین کو دنیا کے بدلے فروخت کریں گے۔
- انصاف کمزور ہوجائے گا اور ظلم کا دور دورہ ہوگا۔
- طلاقوں کی کثرت ہوگی اور ناگہانی اموات بڑھ جائیں گی۔
- لوگ ایک دوسرے پر جھوٹی تہمتیں لگائیں گے۔
- کمینے لوگ سیلاب کی طرح امڈ پڑیں گے اور شریف لوگ سمٹ جائیں گے۔
- امیر اور وزیر جھوٹے ہوں گے۔
- امانت والے خائن ہوں گے۔ قومی
- نمائندے ظالم ہوں گے اور قرآن کے قاری بدکار ہوں گے۔
- لوگ جانوروں کی کھالوں کا لباس
- پہنیں گے اور ان کے دل مردار سے زیادہ بدبودار ہوں گے۔
- امن کم ہوجائے گا۔
- ماں اپنی مالکہ کو جنے گی (یعنی بیٹی ماں کے ساتھ ایسا سلوک کرے گی جیسے ملکہ اپنی کنیز کے ساتھ کرتی ہے۔
- جو لوگ ننگے پاؤں ننگے بدن پھرتے تھے وہ حکومتوں کے سربراہ بن جائیں گے۔
- عورتیں اپنے شوہروں کے ساتھ تجارت میں شریک ہوں گی۔
- مرد عورتوں کی شباہت اختیار کریں گے اور عورتیں مردوں کی نقالی کریں گی۔
- اللہ کے بجائے دوسری چیزوں کی قسمیں کھائی جائیں گی۔
- مسلمان بھی بغیر کہے (جھوٹی) گواہی دے گا۔
- دین کا علم اللہ کی خوشنودی کے بجائے کسی اور مقصد سے پڑھا جائے گا۔ آخرت کے کاموں سے بھی دنیا مقصود ہوگی۔
- انسان اپنے باپ کی نافرمانی کرے گا۔ ماں کے ساتھ سنگ دلی کا برتاؤ کرے گا۔ دوست کو نقصان پہنچائے گا اور بیوی کی فرمانبرداری کرے گا۔
- ظلم پر فخر کیا جائے گا۔
- عدالتی فیصلوں کی خرید وفروخت ہوگی۔
- قرآن کو موسیقی سمجھ لیا جائے گا۔
- آخر زمانے کے لوگ اپنی امت کے پہلے لوگوں پر لعن طعن کریں گے
  (الدرالمنثور ۶-۵۲)
- قلم (یعنی قلم سے لکھی ہوئی تحریریں) پھیل جائیں گی اور حق بات چھپائی جائے گی۔
- ایک چھوٹا سا بچہ بوڑھے کو صرف اس کے غریب ہونے کی وجہ سے لتاڑے گا۔
- ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو ملاقات کا آغاز ہی (اسلام کے بجائے) گالی اور لعنت سے کریں گے۔
- دین کو الٹ دیا جائے گا یعنی حرام چیزوں کے نام بدل بدل کر انہیں حلال

قرار دیا جائے گا۔
(مشکوٰۃ ص-۴۶)

- یہودیوں اور نصرانیوں کی پوری نقالی کی جائے گی۔ (ایضاً ص ۴۵۸)
- امانت داروں کا فقدان ہوگا۔ یہاں تک کہ یوں کہا جائے گا کہ فلاں مقام پر ایک امانت دار شخص رہتا ہے۔
- ایک شخص کی عقل مندی، زندہ دلی اور بہادری کی تعریف کی جائے گی جس کے دل میں ذرہ برابر ایمان نہ ہوگا۔
  (بخاری-۲-۱۵۰)
- معمولی نااہل آدمی جمہور کے اہم معاملات میں رائے زنی کریں گے
  (کنزالعمال ۱۴-۲۱۶)

چودہ سو سال پہلے ارشاد فرمائے ہوئے الفاظ آج کس قدر حیرت انگیز طور پر موجود حالات کی تصویر کھینچ رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ باتیں وحی الٰہی کی روشنی میں بیان فرمائی ہیں اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی آنے والے ان فتنوں کا ذکر فرمایا تو یقیناً یہ بھی بتایا ہوگا کہ ان فتنوں کے درمیان رہنے والوں کو کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے؟ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں ان فتنوں سے خبردار کیا ہے وہاں ایک مسلمان کے لئے وہ راہ عمل بھی بتائی ہے جو ایسے مواقع پر اختیار کرنی چاہئے۔

بہت سی احادیث جنہیں پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ اپنی دوررس نگاہوں سے ہمارے موجودہ دور کے ماحول کو باقاعدہ دیکھ کر یہ باتیں ارشاد فرمارہے ہیں۔

ان ہی میں سے ایک حدیث جسے اگر کوئی شخص آج سے پچیس تیس سال پہلے پڑھتا تو اس کا ٹھیک ٹھیک مطلب پوری طرح سمجھ میں نہ آتا۔ لیکن آج اس کی سچائی کو کھلی آنکھوں دیکھا جاسکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جب تم دیکھو کہ مکہ مکرمہ کا پیٹ چیر کر نہروں جیسی چیزیں بنادی گئی ہیں اور مکہ کی عمارتیں پہاڑوں کی چوٹیوں کے برابر اونچی ہوگئی ہیں تو سمجھ لو کہ معاملہ تمہارے سر پر آگیا ہے اس لئے سنبھل کر رہو۔

یہ حدیث صدیوں سے حدیث کی کتابوں میں نقل ہوتی آرہی ہے لیکن اس کو پڑھنے والے یہ بات پوری طرح سمجھ نہیں سکتے تھے کہ مکہ مکرمہ کا پیٹ چیرنے کا کیا مطلب ہے۔ اور اس کا پیٹ چیر کر نہروں جیسی چیزیں کیسے بنادی جائیں گی؟ لیکن آج جس شخص کو بھی مکہ مکرمہ کی زیارت کا موقع ملا ہے وہ دیکھ سکتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں واقع کتنے پہاڑوں اور چٹانوں کے پیٹ چیر کر زمین دوز راستے اور سرنگیں بنادی گئی ہیں۔ آج مکہ مکرمہ شہر میں ان سرنگوں کا کیسا جال بچھا نظر آتا ہے اور اس میں نہروں کی طرح صاف اور شفاف سڑکوں پر کس طرح ٹریفک رواں دواں ہے۔ اس کے علاوہ مکہ مکرمہ کی عمارتیں نہ صرف پہاڑ کی چوٹیوں کے برابر ہوگئی ہیں بلکہ بعض جگہ ان سے بھی اونچی چلی گئی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ایک ایسے ماحول میں ارشاد فرمائی تھی جب نہ زمین دوز راستوں کا کوئی تصور تھا نہ یہ سوچا جاسکتا تھا کہ انسان کی بنائی ہوئی عمارتیں پہاڑ کی چوٹیوں کے برابر بلند ہوسکتی ہیں۔ اس ماحول میں اتنے وثوق کے ساتھ یہ ناقابل تصور بات یقیناً وہ سچا پیغمبر ہی کہہ سکتا ہے جس کی قوت بینائی زمان ومکان کی قیود سے ماورا ہوتی ہے صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں فتنوں کے زمانوں کے حالات کی پیشگی خبردی ہے وہاں مختلف قسم کے فتنوں کے برے اثرات سے بچنے کے لئے وہ بنیادی نکات بھی بیان فرمادیئے ہیں اگر کوئی شخص ان کی پابندی کرلے تو کم از کم وہ اپنے آپ کو ان برے اثرات سے بچا سکتا ہے اور اگر ان پر عمل کرنے والوں کی تعداد رفتہ رفتہ بڑھتی جائے تو یہی نکتے ان فتنوں کا اجتماعی علاج بھی ثابت ہوسکتے ہیں۔

بعض احادیث سے یہ اشارے ملتے ہیں کہ مسلمانوں میں قتل وغارت گری اور باہمی خون ریزی کا فتنہ درحقیقت بدعملی اور گمراہی کے فتنے کا نتیجہ ہوتا ہے یعنی جب مسلمانوں میں وہ بدعملی پھیلتی ہے تو اس کا نتیجہ مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی اور ناانصافی کی صورت میں نکلتا ہے ان کو ان برے اعمال کا ذاتی اثر کہہ لیجئے یا بداعمالیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تازیانہ، لیکن ہوا یہی ہے

که جب مسلمان اپنے فکر وعمل میں قرآن وسنت کے بتائے ہوئے راستے سے ہٹتے ہیں تو وہ آپس میں لڑائیوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ مسلمانوں کی پوری تاریخ اس صورت حال کی گواہی دیتی ہے۔

جب مسلمانوں میں باہمی خانہ جنگی کا فتنہ کھڑا ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلی ہدایت یہ عطا فرمائی کہ اگر مسلمانوں کا کوئی مسلم سربراہ موجود ہو۔ اس کا برحق ہونا واضح ہو اور دوسرا فریق اس کے خلاف واضح بغاوت کر رہا ہو تو تم اس سربراہ کا ساتھ دو اور باغی کے فتنے کو ختم کرنے کی کوشش کرو لیکن اگر کوئی مسلم سربراہ موجود نہ ہو یا اس کا برحق ہونا واضح نہ ہو اور جو فریق آپس میں لڑ رہے ہیں ان کے بارے میں یہ طے کرنا مشکل ہو کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر؟ تو ایسی صورت میں تم ہر فریق سے کنارہ کشی اختیار کرکے سب سے الگ تھلگ ہو جاؤ اور کسی فریق کا ساتھ نہ دو بخاری اور مسلم کی ایک صحیح حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو جہنم کے دروازوں کی طرف دعوت دیں گے (یعنی ان کی دعوت ایسی گمراہی پر مشتمل ہوگی جو جہنم کی طرف لے جانے والی ہے) جو شخص ان کی دعوت کو قبول کرے گا وہ اسے جہنم میں پھینک دیں گے۔ (حدیث کے راوی کہتے ہیں) میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میں وہ زمانہ پاؤں تو میرے لئے آپ کا کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں کی اکثریت اور ان کے امام سربراہ) کے ساتھ وابستہ رہنا، میں نے عرض کیا اگر مسلمانوں کی نہ کوئی اکثریتی جماعت ہو نہ امام (یعنی برحق سربراہ) تو پھر میں کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر ایسے میں ان تمام فرقوں پارٹیوں، گروہوں سے مکمل علیحدگی اختیار کر لینا۔"

اس قسم کی صورت حال کو بعض احادیث میں "اندھے بہرے" فتنے سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس میں بھی خاص طور پر جہاں باہمی خون ریزی کی بنیاد نسلی ولسانی عصبیت ہو اس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی سخت الفاظ میں مذمت فرمائی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو عصبیت کی دعوت دے وہ ہم میں سے نہیں، جو عصبیت کی خاطر لڑے وہ ہم میں سے نہیں، جو عصبیت کی حالت میں مرے وہ ہم میں سے نہیں۔ (ابوداؤد حدیث ۵۱۲۱)

آپ نے اس عصبیت کا صحیح مطلب بھی صاف صاف بیان فرمایا جس کی مذمت فرمائی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصبیت کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عصبیت یہ ہے کہ تم ناحق کام میں اپنی قوم کی مدد کرو۔ (ابوداؤد حدیث ۵۱۱۹)

ایک مرتبہ ایک مہاجر اور ایک انصاری کے درمیان ہاتھا پائی ہوگئی، مہاجر نے مدد کے لئے مہاجرین کو پکارا اور انصاری نے انصار کی دہائی دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا تو آپ نے اس پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ "یہ زمانہ جاہلیت جیسے نعرے کیوں لگاتے ہو؟" لوگوں نے جھگڑے کا سبب بتایا کہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کو لات ماردی آپ نے فرمایا "ان عصبیت کے نعروں کو چھوڑ دو یہ بدبودار ہیں۔" (صحیح بخاری حدیث ۴۹۰۵ تفسیر سورہ المنافقون)

ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ "ہر شخص کو اپنے بھائی کی مدد کرنی چاہئے اگر وہ ظالم ہو تو اسے ظلم سے روک کر اور اگر مظلوم ہو تو اس سے ظلم دور کرکے۔" (فتح الباری ۸_۶۴۹)

مطلب یہ کہ جہاں ظلم ہو رہا ہو وہاں ظلم دور کرنے کی کوشش کرو اور اس کے لئے لوگوں کو دعوت دینے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اسے ایک نسلی اور گروہی نعرہ بنا کر عصبیت کی راہ ہموار کرنا قابل مذمت ہے اور جو ذہنیت اسے عصبیت کا رنگ دیتی ہے وہ بدبودار ذہنیت ہے۔

اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمادیا کہ ظلم یا انصاف کسی خاص قوم، نسل یا گروہ کی خصوصیت نہیں ہوتی ہر قوم یا نسل میں ظالم بھی ہوتے ہیں۔ مظلوم بھی، منصف مزا بھی ہوتے ہیں اور ہٹ دھرم بھی۔ برحق بھی ہوتے ہیں اور ناحق بھی۔ آواز ظلم کے خلاف اٹھاؤ کسی خاص قوم یا نسل کے خلاف نہیں، مدد مظلوم کی کرو کسی خاص نسل یا قوم کے نام سے نہیں بلکہ

باقی صفحہ ۸ پر

پہلی صدی ہجری میں مکہ معظمہ کی تعلیم گاہیں

محترم محمد عارف

وادی قدس (مکۃ المکرمہ) کی فضاؤں میں تعلیمات اسلامیہ کے چرچے بہت پہلے سے پھیل چکے تھے اس سرزمین کے سب سے پہلے معلم خود فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ اس سرزمین میں مسلسل تیرہ برس تک تعلیم اسلامیہ کو پھیلانے میں مصروف رہے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد محدود رہی۔ صرف چند نفوس قدسیہ تھے جو پروانوں کی طرح اس شمع کے گرد منڈلاتے رہے اور اپنا سب کچھ اس پر نچھاور کرنے کا حوصلہ رکھتے تھے۔

مدینہ منورہ کے مقابلے میں مکہ مکرمہ کی یہ خصوصیت ہمیشہ یادگار رہے گی کہ مکہ مکرمہ میں تعلیم کا دائرہ محدود تھا، گنے چنے شاگرد مکتب نبوی سے استفادہ کرتے تھے جب کہ مدینہ منورہ میں شاگردوں کی تعداد ہمیشہ روبہ ترقی رہی۔ مکہ مکرمہ کی ایک اور خصوصیت بھی ہے اور وہ یہ کہ مکہ مکرمہ میں تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا نہایت درست ماحول موجود تھا کیونکہ ان دنوں مکہ مکرمہ اہل ایمان کے لئے امتحان وآزمائش کی بھٹی بنا ہوا تھا۔ اس بھٹی سے جو نکلا کندن بن کر نکلا جب کہ مدینہ منورہ کا ماحول فی الجملہ فتح وکامرانی کا ماحول تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مکی صحابہ میں ایک بھی منافق نہیں۔ جب کہ مدینے کے ماحول میں تین صد تک منافق موجود تھے۔ اس ماحول کی روشنی میں اس حدیث کا مفہوم واضح ہوتا ہے۔ الائمة من قریش مکہ مکرمہ میں اسلام کی خلاف مخالفت کا طوفان اٹھا ہوا تھا اس لئے وہاں صرف وہی لوگ اسلام کا کلمہ پڑھتے تھے جو نہایت درجہ مخلص تھے۔ ان کے خلوص ان کی للّٰہیت میں کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا تھا، ایسے ہی لوگ بلاشبہ قیادت اور امامت کے لاق ہوسکتے ہیں۔

مکہ مکرمہ میں، اگرچہ تعلیمات اسلامیہ کے لئے کوئی مرکز نہ تھا، مگر کچھ عرصے کے لئے دار ارقم بن ابی ارقم (۵۳ء/ ۶۸۳ء) کو یہ شرف حاصل رہا کہ وہ کچھ عرصے تک "مکتب نبوی" کی حیثیت سے معروف رہا۔ اس مکان کو ۶۱۴ء میں یہ شرف حاصل ہوا اور اس میں بہت سے جلیل القدر صحابہ کرام کو جن میں حضرت عمر فاروق کا نام گرامی سرفہرست ہے، دولت اسلام سے مشرف ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اس کے علاوہ ایک عرصے تک یہ مکان جلسہ گاہ نبوی کی حیثیت سے برقرار رہا۔ مکی زندگی کے آخری برسوں میں معلوم ہوتا ہے کہ یہاں جلسہ گاہ کی حیثیت باقی نہ رہی۔

یہ مکان کوہ صفا کے دامن میں مکہ مکرمہ کے شوروشغب سے ایک طرف واقع تھا۔ اس کی یکسوئی ہی درحقیقت اس کے لئے "تعلیم گاہ نبوی" بننے کا باعث ہوئی تھی۔

جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرماگئے تو کچھ عرصے کے لئے مکے کے گلی کوچے سنسان ہوگئے مگر یہ سنسانی کسی طوفان کی آمد کا پیش خیمہ تھی اور صرف آٹھ سال کے بعد یہ طوفان پورے زور شور کے ساتھ آیا اور مکے کے تمام باغی مطیع ہوگئے۔ مکے نے اپنی دروازے فرزندان توحید کے لئے کھول دیئے اور اسلام پوری طرح مکہ مکرمہ کی زندگی پر حاوی ہوگیا۔

مکہ مکرمہ کی نو مسلم آبادی میں تعلیمات اسلامیہ کو پھیلانے کی اشد ضرورت تھی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ضرورت کا پورا خیال رکھا۔ کچھ دنوں کے بعد غزوۂ حنین پیش آگیا اور آپ کو مکے سے باہر آنا پڑا، مگر اس سفر میں بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ اس جنگ کے نتائج کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کی تکمیل کے لئے استعمال فرمایا۔ قبیلہ ہوازن سے حاصل شدہ مال غنیمت کو تالیف قلوب کے لئے مکے کے شرفا اور امراء میں بانٹنے کا پس منظر بھی یہی تھا۔ آپ کے اس طرز عمل کا خاطر خواہ فائدہ ہوا اور امراء قریش خود اسلام کے مبلغ بن گئے۔ علامہ ذہبی حکیم بن حزام کے ذکر کے ذیل میں ہشام بن عروہ کے واسطے سے ایک روایت نقل

فرماتے ہیں کہ قریش کے رؤساء حکیم بن حزام، بدیل بن ورقاء، ابوسفیان بن حرب اسلام لائے اور آپ کی بیعت کی۔ آپ نے ان روس کو قریش میں تبلیغ اسلام کے لئے متعین فرمایا ان نو مسلم مبلغوں کے دوش بدوش قدیم الاسلام صحابہ مصروف عمل تھے۔ ان کی کوششوں سے صرف دو سال کے قلیل عرصے میں جو انقلاب برپا ہوا وہ مورخ کو حیران کر دیتا ہے۔ پورا مکہ اسلام کی آغوش میں پناہ لے چکا تھا، بت پرستی اور اصنام پرستی کا دور بیت چکا تھا اور مکہ ایک دفعہ پھر شہر توحید کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔

موسمی تعلیم گاہیں

مکہ مکرمہ کے فتح ہوتے ہی یہاں پر دو قسم کی تعلیم گاہیں معرض وجود میں آگئیں ان میں سے ایک قسم موسمی تعلیم گاہوں کی ہے جس سے مراد موسم حج کی وہ تعلیم گاہیں ہیں جو بلاد اسلامیہ کے طول و عرض سے سمٹ کر ''وادی بکہ'' میں قائم ہو جاتی تھیں۔ چونکہ تمام مسلمانوں کے دلوں کا مرکز مکۃ المکرمہ ہے جہاں ہر سال فریضہ حج ادا کیا جاتا ہے اس لئے ہر مسلمان وہاں پہنچنے کی کوشش کرتا تھا اور مسلمانوں کا ایک بہت بڑا مجمع ہر سال اس سے مشرف ہوتا چلا آیا ہے۔ موسم حج میں مکہ مکرمہ جہاں ایک طرف اجناس کی ایک عالمی منڈی بن جاتا تھا۔ بعینہ اسی طرح یہ شہر قدس ایک بہت بڑے دارالعلوم کی شکل اختیار کر لیتا تھا، یہاں دنیا بھر سے علماء و فضلاء جمع ہوتے تھے اور اس کے ساتھ ہی پوری دنیا سے طلبہ بھی حاضر ہوتے تھے اور اس پر مستزاد یہ کہ موسم خالص علمی اور عملی ہوتا تھا۔ ان حالات میں تعلیم و تعلم کے سوا کوئی دوسرا مشغلہ سوجھ ہی نہیں سکتا۔

بہت سے لوگ علمی اشکال، عملی اعتراضات کے لئے سال بھر موسم حج کا انتظار کرتے تھے جب موسم حج شروع ہوتا تو ان کے لئے اپنے اشکالات کے رفع کرنے کا وقت آن پہنچتا تھا۔ چنانچہ وہ کمر بستہ ہو کر اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے۔ اگر ایک عالم سے تشفی نہ ہوتی تو دوسرے عالم کی طرف رجوع کیا جاتا۔ اگر دوسرے عالم سے بھی اطمینان قلب نہ ہوتا تو تیسرے عالم کی طرف رخ کیا جاتا۔ اگر طالبین شوق کی کمی نہ تھی تو مرجع وماوائے انام بھی وہاں کم نہ ہوتے تھے۔

الغرض موسم حج ہر لحاظ سے اچھا اور بہتری کا موسم ہوتا تھا۔ اہل مکہ کو گھر بیٹھے بٹھائے تمام علماء و فضلاء کی زیارت اور ان سے استفادہ کرنے کا شرف حاصل ہو جاتا تھا گویا یہاں معاملہ ہی الٹ تھا۔ یہاں کنواں خود پیاسوں کے پاس چل کر آتا تھا اور پیاسے یہاں سے مستفید ہوتے تھے۔

صحابہ کرام میں سے بعض جلیل القدر ہستیاں خاص طور سے اشاعت علوم کے لئے اس موسم کا انتظار کرتی تھیں اور اس موقع پر اشاعت علم کا فریضہ بحسن و خوبی سرانجام دیا کرتی تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ موسم حج میں کوہ ثبیر پر خیمہ زن ہوتیں اور ان کی خیمہ گاہ در حقیقت ایک دارالعلوم ہوتی تھی لوگ ام المومنین سے استفادہ کرتے اور ام المومنینؓ اپنے روحانی فرزندوں کو پردے کی اوٹ سے درس دیا کرتی تھیں یہ سلسلہ صرف حضرت صدیقہؓ تک ہی محدود نہ تھا۔ بلکہ یہ سلسلہ ہر اس صحابی تک محیط تھا جس کے علم و فضل کی داستانیں در و دیوار کی پابند نہ تھیں، ایسے تمام حضرات اس درس گاہ کے مدرس ہوتے تھے اور موسم حج کے تمام حجاج شاگرد، اس کے علاوہ وعظ و تلقین اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہتا تھا اور طالبان شوق ہمیشہ جھولیاں پھیلائے منتظر رہتے تھے۔

متعین درس گاہیں

مگر ان موسمی اور وقتی درس گاہوں کے ساتھ مکہ مکرمہ میں متعین اور مستقل درس گاہیں بھی موجود تھیں۔ یہ درس گاہیں ان قریشی اور ہاشمی صحابہ کرامؓ کی کوشش کی رہین منت تھیں جنہوں نے دوسرے علاقوں پر بیت اللہ شریف کو ترجیح دی تھی۔ ان صحابہ کرامؓ میں سوائے ایک ہستی حضرت عبداللہؓ بن عباس کے قلیل الروایہ بزرگ ہیں، مگر یہ کمی ان کے جوش و جذبے اور محنت اور لگن کی راہ میں حائل نہ ہوئی ان صحابہ کرام کے جوش و ولولے نے مکے کی پتھریلی سرزمین میں علم و عمل کے وہ شاہکار پیدا کئے جنہیں دنیا نے دیکھا تو حیرت اور عقیدت سے گردن جھکالی ذیل میں چند صحابہ کرامؓ کا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ اس درس گاہ کے کوائف پر روشنی ڈالی جا سکے۔

عبداللہ بن عباس (۳ ق تا ۶۷ھ یا ۶۹ھ)

سب سے زیادہ اس علاقے کو جس ہستی نے متاثر کیا وہ ہستی نامی گرامی مفسر

قرآن، خیر الامت حضرت عبداللہؓ بن عباس کی ہے۔ حضرت عبداللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن عم ہونے کے علاوہ آپ کی علمی وراثت کے امین بھی تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ کے متعلق یہ دعا مانگی تھی۔ اللھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل۔ زبان نبوت سے نکلے ہوئے یہ الفاظ بارگاہ ایزدی میں مستجاب ہوئے اور حضرت عبداللہ علم تفسیر کے سمندر بن کر ابھرے اس فن میں کبار صحابہ کرامؓ تک کو ان کی مہارت کا اعتراف تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ ہمیشہ ان کو دوسروں پر ان کی قرآن فہمی کی بنا پر ترجیح دیا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ کی سکونت مختلف علاقوں میں رہی۔ علم تفسیر کا یہ بحر بیکراں، پہلے مکہ مکرمہ میں مقیم رہا بعد ازاں مدینہ منورہ میں قربت نبوی کے شرف سے مشرف رہا۔ اور دور علوی (۳۶ھ) تک مدینہ ہی ان کا مستقر رہا۔ اس عرصے میں اگرچہ جہاد یا تبلیغ اسلام کے لئے بعض اور جگہوں پر بھی جانا ہوا، مگر رہائش کا مستقر یہی رہا۔ اسی دوران ایک مرتبہ مشہور صحابی حضرت ابن ابی سرحؓ کی قیادت میں مصر اور افریقہ کے علاقے پر جہاد کیا مگر یہاں بھی اپنے فرائض منصبی سے غافل نہ ہوئے چنانچہ علامہ ذہبی کے مطابق مصر میں ان سے پندرہ آدمیوں نے بھرپور استفادہ کیا۔

حضرت علیؓ نے ان کو اپنے دور خلافت میں بصرے کا والی بنایا۔ بصرے میں بھی ان کا مخصوص حلقہ درس تھا۔ لوگوں نے ان کی مجلس کو غنیمت جانا اور جوق در جوق استفادہ کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد وہ سیاسی زندگی سے ہمیشہ کے لئے کنارہ کش ہو گئے اور دوبارہ کبھی اس وادی پر خار کا رخ نہ کیا۔ اموی دور انہوں نے مکے میں گزارا گویا جہاں سے سفر شروع کیا تھا بالآخر منزل وہی قرار پائی، مکہ مکرمہ ہی ان کے علوم و فنون کی اشاعت کا مرکز بنا۔ مکہ مکرمہ میں ان سے ایک کثیر خلق نے استفادہ کیا۔ تہذیب میں ان کے شاگردوں کی تعداد دو صد بتائی جاتی ہے۔ چند نامور تلامذہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) انس بن مالکؓ (۲) ابوالطفیلؓ (۳) عکرمہؓ (۴) ابوامامہؓ (۵) کثیر بن العباسؓ (۶) عروہ بن زبیرؓ (۷) کریب (۸) ابو معید (۹) عبداللہ بن عبداللہ (۱۰) مجاہد (۱۱) سعید بن جبیر (۱۲) عبداللہ بن سعید (۱۳) طاؤس (۱۴) ابوالشعثاء (۱۵) جابر (۱۶) علی بن الحسین (۱۷) قاسم بن محمد (۱۸) ابو صالح السمان (۱۹) ابو رجاء العطاردی (۲۰) ابوالعالیہ (۲۱) ابراہیم بن عبداللہ بن محمد (۲۲) اربدۃ التمیمی صاحب التفسیر (۲۳) ابو صالح باذام (۲۴) طلیق بن قیس الحنفی (۲۵) عطاء بن رباح (۲۶) الشعبی (۲۷) الحسن البصری (۲۸) محمد بن سیرین (۲۹) محمد بن کعب القرظی (۳۰) شہر بن حوشب (۳۱) ابن ابی ملیکہ (۳۲) عمرو بن الضبعی (۳۳) عبداللہ بن ابی یزید (۳۴) نصر بن عمران الضبعی (۳۵) ضحاک بن مزاحم (۳۶) ابوالزبیر المکی (۳۷) حبیب بن ابی ثابت (۳۸) سعید بن الحسین۔

حضرت عبداللہ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے اور کچھ ابن زبیر سے ان بن ہو گئی تھی اس لئے وہ طائف کے علاقے میں تشریف لے گئے اور وہاں پر ہی ۶۷ھ یا ۶۸ھ میں وفات پائی۔

ان سے کل مرویات کی تعداد ۱۶۶۰ ہے جن میں ۷۵ متفق علیہ بخاری میں ۱۲۰ اور مسلم شریف میں ۷ ہیں۔

عبداللہ بن زبیرؓ (۲ھ تا ۷۳ھ)

دوسری نامور ہستی جس نے مکے کی تاریخ کو منور کیا وہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی ہے۔ ان کا شمار صغار صحابہ میں ہوتا ہے۔ ان کی آخری زندگی کے تقریباً ۲۰ سال سیاسی ہنگاموں کی نذر ہو گئے۔ اس لئے وہ کوئی زیادہ علمی خدمت سرانجام نہ دے سکے۔ ان سے کل مرویات ۳۳ ہیں جن میں ۱، متفق علیہ ۲ مسلم میں اور ۷ بخاری میں منقول ہیں۔

ان سے چند استفادہ کرنے والے ہیں۔

(۱) عروہ الفقیہ (۲) عامر بن عروہ (۳) عباد بن عامر (۴) محمد بن عروہ (۵) عبیدۃ السلمانی (۶) طاؤس (۷) عطاء (۸) ابن ابی ملیکہ (۹) عروہ بن دینار (۱۰) ثابت البنانی (۱۱) ابوالزبیر المکی (۱۲) ابواسحاق السبیعی (۱۳) وہب بن کیسان (۱۴) سعید بن میناء (۱۵) مصعب بن ثابت بن عبداللہ (۱۶) یحییٰ بن عباد بن عبداللہ (۱۷) ہشام بن عروہ (۱۸) فاطمہ بنت بن المنذر بن

الزبیر۔

وہ ان ہستیوں میں سے تھے جو دین ودنیا دونوں میں دسترس رکھتے ہیں۔ انہیں دیکھنے والوں کا یہ کہنا ہے کہ اگر انہیں دنیا میں مشغور دیکھا جاتا تو اس طرح نظر آتا کہ گویا انہیں دین سے کوئی لگاؤ نہیں اور اگر انہیں دین میں مشغول دیکھا جاتا تو نظر آتا کہ گویا انہیں دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔

حکیم بن حزامؓ (م ۵۴ھ)

حضرت حکیم بن حزام، حضرت خدیجہ الکبریٰ کے بھتیجے تھے۔ وہ مکے کے روٴسا اور عقلا میں شمار ہوتے تھے۔ علامہ ذہبی ان کے متعلق فرماتے ہیں۔ اسلم یوم الفتح وحسن اسلامہ، وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے مکان کو فتح مکہ کے موقع پر جائے امن قرار دیا گیا تھا اور بعد میں انہیں اہل مکہ کی طرف مبلغ بنا کر بھیجا گیا تھا ان کے چند تلامذہ کی تفصیل یہ ہے۔ (۱) ہشام (۲) حزام (۳) عبداللہ بن الحارث بن نوفل (۴) سعید بن المسیب (۵) عروہ (۶) موسیٰ بن طلحہ (۷) یوسف بن ماہک (۸) عراک بن مالک (۹) محمد بن سیرین (۱۰) عطاء بن الرباح۔

ان سے کل ۱۴۰ احادیث مروی ہیں جن میں سے چار متفق علیہ ہیں۔

عبداللہ بن سائبؓ

قریش کے قبیلہ بنی مخزوم کی ایک قابل ذکر ہستی حضرت عبداللہ بن سائب کی ہے۔ انہیں مقری مکہ یعنی اہل مکہ کو قرات پڑھانے والے کا لقب حاصل تھا اور ان کی ذات ان ہستیوں میں سے تھی جن پر اہل مکہ فخر کیا کرتے تھے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ہم مکہ کے لوگ اپنے فقیہ ابن عباس، اپنے موٴذن ابومحذورہ، اپنے قاری عبداللہ بن سائب، اپنے قاضی عبید بن عمیر پر فخر کیا کرتے تھے۔

جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے ان کا میدان علم حدیث نہ تھا بلکہ ان کا اصل فن قرأت تھا۔ انہوں نے یہ فن سید القراء حضرت ابی بن کعب سے سیکھا تھا۔ ان کے چند تلامذہ یہ ہیں (۱) ابن ابی ملیکہ (۲) عطاء (۳) محمد بن عباد بن جعفر (۴) محمد بن عبداللہ (۵) محمد بن عبدالرحمٰن المخزومی۔

ابوالطفیل عامر بن واثلہ بن عبداللہ

(م ۱۰۰ یا ۱۰۷ یا ۱۰۸)

دیکھئے الذہبی سیر اعلام (ج ۳ ص ۳۰۹)

بنو کنانہ میں ایک قابل فخر ہستی حضرت ابوالطفیلؓ کی ہے جنہیں خاتم الصحابہ کہا جاتا ہے۔ جن کی بابت علامہ ذہبی فرماتے ہیں۔ خاتم من رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الدنیا واستمر الحال ذلک فی عصر تابعین وہلم۔

اگرچہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ انہوں نے صرف ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت فرمائی تھی جب کہ آپ حجۃ الوداع کے موقع پر استلام حجر فرما رہے تھے، ان کے استفادے کا سلسلہ صحابہ کرامؓ تک محدود تھا۔ مگر چوں کہ ۹۳ھ سے لے کر ان کی وفات تک (جس میں کچھ اختلاف ہے۔) وہی واحد صحابی دنیا میں موجود تھے، اس لئے ان سے استفادہ کرنے والوں کا دائرہ کافی پھیلا ہے۔ لوگ ان سے بطور تبرک استفادہ کرنے آتے تھے۔ ان کے چند تلامذہ یہ ہیں۔ (۱) حبیب بن ابی ثابت (۲) الزہری (۳) ابوالزبیر المکی (۴) علی بن زید بن جدعان (۵) عبداللہ بن عثمان بن خثیم (۶) معروف (۷) سعید الجریری (۸) قطر بن خلیفہ۔

حضرت ابوالطفیل کے بعد صحابہ کرامؓ کا دور مکمل طور سے ختم ہوگیا۔ اگرچہ محققین اس کی ابتدا ۹۳ھ سے (وفات انسؓ بن مالک) مانتے ہیں مگر درحقیقت اس کی ابتدا وفات ابوالطفیل سے ہوتی ہے۔

عثمانؓ بن طلحہ

عبداللہ بن عبدالعزیٰ بن عثمانی (م ۴۱ھ یا ۴۲ھ)

مکے کی تعلیمی کلید بردار حضرت عثمان بن طلحہ کی ہستی بھی قابل ذکر ہے۔ وہ اس سہ رکنی وفد میں شامل تھے جو حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ اور ان کی ذات پر مشتمل تھی۔ انہوں نے شوق اور جذبے سے اسلام قبول کیا اور اس پر استقامت دکھائی۔ فتح مکہ (۸ھ) کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کعبۃ اللہ شریف کی چابیاں تفویض کردیں۔ اس کی بعد سے لے کر وہ مکہ مکرمہ ہی میں رہائش پذیر رہے۔ ان سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد محدود ہے۔ چند افراد یہ ہیں۔ (۱) ابن عمرو

باقی صفحہ ۴۰ پر

پہلی قسط

محبت کا کرشمہ

تحریر ابوالکلام آزاد

درس وفا اگر بود زمزمۂ مجتبیٰ
جمعہ بہ مکتب آورد طفل گریز پائی را

ہجرت کی تیسری صدی قریب الاختتام ہے بغداد کے تخت خلافت پر المعتصد باللہ عباسی متمکن ہے۔ معتصم کے زمانہ سے دارالخلافہ کا شاہی اور فوجی مستقر سامرہ میں منتقل ہوگیا ہے، پھر بھی سرزمین بابل کے اس نئے بابل میں پندرہ لاکھ انسان بستے ہیں ایران کے اصطخر، مصر کے ریمس اور یورپ کے روم کے بعد اب دنیا کا تمدنی مرکز بغداد ہے۔

دنیا کی اس ترقی یافتہ مخلوق جسے "انسان" کہتے ہیں کچھ عجیب حال ہے، یہ جتنا کم ہوتا ہے اور جتنا زیادہ بڑھتا ہے اتنا ہی نیک اور خوش ہوتا ہے اور جتنا زیادہ بڑھتا ہے اتنی ہی نیکی اور خوشی اس سے دور ہونے لگتی ہے اس کا کم ہونا خود اس کے لئے اور خدا کی زمین کے لئے برکت ہے۔ یہ جب چھوٹی چھوٹی بستیوں میں چھپر ڈال کر رہتا ہے تو کیسا نیک، کیسا خوش اور کس درجہ حلیم ہوتا ہے۔ محبت اور رحمت اس میں اپنا آشیانہ بناتی ہے اور روح کی پاکیزگی کا نور اس کے جھونپڑوں کو روشن کرتا ہے۔ لیکن جونہی یہ جھونپڑوں سے باہر نکلتا ہے اس کی بڑی بڑی بھیڑیں ایک خاص رقبہ میں اکٹھی ہوجاتی ہیں تو اس کی حالت میں کیسا عجیب انقلاب ہوجاتا ہے۔ ایک طرف تجارت بازاروں میں آتی ہے صنعت وحرفت کارخانے کھولتی ہے دولت سربفلک عمارتیں بناتی ہے۔ حکومت وامارت شان وشکوہ کے سامان آراستہ کرتی ہے لیکن دوسری طرف نیکی رخصت ہوجاتی ہے محبت اور فیاضی کا سراغ نہیں ملتا، اور امن وراحت کی جگہ اب انسانی مصیبتوں اور شقاوتوں کا ایک لازوال دور شروع ہوجاتا ہے، وہی انسان کی بستی جو پہلے نیکی ومحبت کی دنیا اور راحت وبرکت کی بہشت تھی اب افلاس ومصیبت کا مقتل اور جرموں اور بدیوں کی دوزخ بن جاتی ہے وہی انسان جو جھونپڑوں کے اندر محبت وفیاضی کی گرمجوشی تھا، اب شہر کے سربفلک محلوں کے اندر بے مہری اور خود غرضی کا پتھر ہوتا ہے، جب وہ اپنے عالیشان مکانوں میں عیش ونعمت کے دسترخوانوں پر بیٹھتا ہے تو اس کے کتنے ہی ہم جنس سڑکوں پر بھوکے ایڑیاں رگڑتے ہیں، جب وہ عیش وراحت کے ایوانوں میں جمال وحسن کی محفلیں آراستہ کرتا ہے تو اس کی ہمسایہ میں یتیموں کے آنسو نہیں تھمتے، اور کتنی ہی بیوائیں ہوتی ہیں جن کے بدنصیب سروں پر چادر کا ایک تار بھی نہیں ہوتا، زندگی کی قدرتی یکسانیت کی جگہ اب زندگی کی مصنوعی مگر بے رحمت تفاوتیں ہر گوشے میں نمایاں ہورہی ہیں۔

پھر جب انسانی بے مہری اور خود غرضی کے لازمی نتائج ظاہر ہونے لگتے ہیں، کمزور افلاس اور بے نوائی سے مجبور ہوکر بدبخت انسان جرم کی طرف قدم اٹھاتا ہے تو اچانک اس کی زبانوں کا سب سے بے معنی لفظ وجود میں آجاتا ہے یہ "قانون" اور "انصاف" ہے بڑی بڑی شاندار عمارتیں تعمیر کی جاتی ہیں، اور ان کے دروازہ پر لکھا جاتا ہے: "انصاف کا گھر" انصاف کے اس مقدس گھر میں کیا ہے؟ یہ ہوتا ہے کہ وہی انسان جس نے اپنی بے رحمی تغافل ومفلسی کو چوری پر اور نیک انسانوں کو بداطوار بن جانے پر مجبور کردیا تھا قانون کا پرہیبت جبہ پہن کر آتا ہے اور فرشتوں کا سا معصوم اور راہبوں کا سا سنجیدہ چہرہ بنا کر حکم دیتا ہے۔

"مجرم کو سزا دی جائے"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ اس نے چوری کی"

"اس بدبخت نے چوری کیوں کی؟"

اس لئے کہ وہ انسان ہے اور انسان بھوک برداشت نہیں کرسکتا اس لئے کہ وہ شوہر ہے اور شوہر اپنی بیوی کو بھوک سے

ایڑیاں رگڑتے تو نہیں دیکھ سکتا، اس لئے کہ وہ باپ ہے اور باپ کی طاقت سے باہر ہے کہ اپنے بچوں کے ان آنسوؤں کا نظارہ کر سکے جو بھوک کی اذیت سے ان کے معصوم چہروں پر بہہ رہے ہیں۔

پھر یہ بدقسمت انسان اگر قید خانہ اور تازیانے کی سزائیں جھیل کر اس قابل نہیں ہو جاتا کہ بغیر غذا کے زندہ رہ سکے، تو مقدس انصاف اصلاح اور انسانیت کا آخری قدم اٹھاتا ہے اور کہتا ہے:

"اسے سولی کے تختے پر لٹکا دو۔"

یہ گویا انسان کے پاس اس کے ابنائے جنس کی مصیبتوں اور شقاوتوں کا آخری علاج ہے۔ یہ ہے انسان کی متمدن اور شہری زندگی کا اخلاق! وہ خود ہی انسان کو برائی پر مجبور کرتا ہے اور خود ہی سزا بھی دیتا ہے پھر ظلم اور بے رحمی کے اس تسلسل کو انصاف کے نام سے تعبیر کرتا ہے، اس انصاف کے نام سے جو دنیا کی سب سے زیادہ مشہور مگر سب سے زیادہ غیر موجود حقیقت ہے۔

چوتھی صدی ہجری کا بغداد دنیا کا سب سے بڑا شہر اور انسانی تمدن کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ انسانی آبادی تمدن کے یہ تمام لازمی نتائج موجود ہوتے گندگی میں مکھیاں اور دلدل میں مچھر اس تیزی سے پیدا نہیں ہوتے ہیں جس تیزی سے شہروں کی آب و ہوا جرم اور مجرموں کو پیدا کرتی ہے۔ بغداد کے قید خانے مجرموں سے بھرے ہوئے تھے مگر پھر بھی اس کی آبادی میں مجرموں کی کمی نہ تھی۔

بغداد میں جس طرح آج کل حضرت شیخ جنید بغدادیؒ کی بزرگی و شہرت ہے۔ اسی طرح ابن ساباط کی چوری وعیاری بھی مشہور ہے، پہلی شہرت نیکی کی ہے دوسری بدی کی۔ دنیا میں بدی، نیکی کی طرح اس کی شہرت کا مقابلہ کرنا چاہتی ہے، اگرچہ کر نہیں سکتی۔

دس برس سے ابن ساباط مدائن کے قید خانہ میں ہے اس کے خوفناک حملوں سے لوگ محفوظ ہو گئے ہیں تاہم اس کی عیاریوں اور بے باکیوں کے افسانے لوگ بھولے نہیں وہ جب کبھی کسی دلیرانہ چوری کا حال سنتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں:

"یہ دوسرا ابن ساباط ہے۔"

اس دس برس کے اندر کتنے ہی ابن ساباط پیدا ہو گئے ہیں مگر پرانے ابن ساباط کا کوئی مقابلہ نہ کر سکا، بغداد والوں کی بول چال میں وہ جرائم کا شیطان اور برائیوں کا عفریت تھا۔

ابن ساباط کے خاندانی حالات عوام کو بہت کم معلوم ہیں، جب وہ پہلی مرتبہ سوق التجارین میں چوری کرتا ہوا گرفتار ہوا تو کوتوالی میں اس کے حالات کی تفتیش کی گئی معلوم ہوا یہ بغداد کا باشندہ نہیں ہے۔ اس کے ماں باپ ڈس سے ایک قافلے کے ساتھ آ رہے تھے راہ میں بیمار پڑے اور مر گئے قافلہ والوں کو رحم آیا اور اپنے ساتھ بغداد پہنچا دیا، یہ اب سے دو برس بیشتر کی بات ہے یہ دو برس اس نے کہاں اور کیونکر بسر کئے؟ اس کا حال کچھ معلوم نہ ہو سکا، گرفتاری کے وقت اس کی عمر پندرہ سال کی تھی کوتوالی کے چبوترے پر لٹا کر اسے تازیانے مارے گئے اور چھوڑ دیا گیا۔

اس پہلی سزا نے اس کی طبیعت پر کچھ عجیب طرح کا اثر ڈالا، وہ اب تک ایک ڈرا سہما کمسن لڑکا تھا، اب اچانک ایک دلیر بیباک مجرم کی روح اس کی اندر پیدا ہو گئی، گویا اس کی تمام شقاوتیں اپنے ظہور کے لئے تازیانے کے ضرب کی منتظر تھیں، مجرمانہ اعمال کے تمام بھید اور بدیوں گناہوں کے تمام مخفی طریقے جو کبھی اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں گزرے تھے اب اس طرح اس پر کھل گئے گویا ایک تجربہ کار اور مشاق مجرم کا دماغ، اس کے سر میں اتار دیا گیا، تھوڑے ہی دنوں کے اندر وہ ایک پکا عیار اور چھٹا ہوا جرائم پیشہ انسان تھا۔

اب وہ چھوٹی چھوٹی چوریاں نہیں کرتا تھا پہلی مرتبہ جب اس نے چوری کی تھی تو دو دن کی بھوک اسے نان بائی کی دکان پر لے گئی تھی، لیکن اب وہ بھوک سے بےبس ہو کر نہیں بلکہ جرم کے ذوق سے وارفتہ ہو کر چوری کرتا تھا۔ اس لئے کہ اس کی نگاہیں نان بائی کی روٹیوں پر نہیں بلکہ سرہانوں کی تھیلیوں اور سوداگروں کے ذخیروں پر پڑتی تھیں۔ دن ہو، رات ہو، بازار کی منڈی ہو یا امیر کا دیوان خانہ، ہر وقت، ہر جگہ، اس کی کارستانیاں جاری

تھیں۔ اس کے اندر ایک فاتح کا جوش تھا۔ سپہ سالار کا عزم تھا سپاہی کی مردانگی تھی، مدبر کی سی دانشمندی تھی لیکن دنیا نے اس کے لئے یہی پسند کیا کہ وہ بغداد کے بازاروں کا چور ہو، اس لئے اس کی فطرت کے تمام جواہر اسی میں نمایاں ہونے لگے، افسوس فطرت کس فیاضی سے بخشتی ہے اور انسان کس بے دردی سے برباد کرتا ہے۔

کچھ دنوں کے بعد جب ابن ساباط کی دراز دستیاں حد سے بڑھ گئیں تو حکومت کو خصوصیت کے ساتھ توجہ ہوئی آخر ایک دن گرفتار کر لیا گیا اب یہ کمسن لڑکا نہ تھا، شہر کا سب سے بڑا چور تھا عدالت نے فیصلہ کیا کہ ایک ہاتھ کاٹ ڈالا جائے فوراً تعمیل ہوئی اور جلاد نے ایک ہی ضرب میں اس کا پہنچا الگ کر دیا۔

ابن باساط کے ہاتھ کا کٹنا، کٹنا نہ تھا بلکہ سینکڑوں ہاتھوں کو اس کے شانوں سے جوڑ دینا تھا، معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے سارے شیطان اور عفریت اس واقعہ کے انتظار میں تھے جونہی اس کا ہاتھ کٹا انہوں نے اپنے سینکڑوں ہاتھ اس کے حوالے کر دئیے۔ اب اس نے عراق کے تمام چور اور عیار اکٹھے کر کے اپنا اچھا خاصا جتھا بنالیا، اور فوجی سامان کے ساتھ لوٹ مار شروع کر دی، تھوڑے ہی عرصہ کے اندر اس کے دلیرانہ حملوں نے تمام عراق میں تہلکہ مچا دیا، وہ قافلوں پر حملے کرتا، دیہاتوں میں ڈاکے ڈالتا، محل سراؤں میں نقب لگاتا، سرکاری خزانے لوٹ لیتا اور پھر یہ سب کچھ اس ہوشیاری اور فرزانگی سے کرتا کہ اس پر یا اس کے ساتھیوں پر کوئی آنچ نہ آتی، ہر موقع پر صاف بچ کر نکل جاتا، لوگ جب اس کے مجرمانہ کارنامے سنتے تو دہشت وحیرت سے مبہوت رہ جاتے۔ یہ ڈاکہ نہیں، جرم کی خبیث روح ہے وہ انسان کو لوٹ لیتی ہے، مگر انسان اسے چھو نہیں سکتا! یہ بغداد والوں کا متفقہ فیصلہ تھا۔

مگر ظاہر ہے یہ حالت کب تک جاری رہ سکتی تھی آخر وقت آ گیا کہ ابن ساباط تیسری مرتبہ قانون کے پنجے میں گرفتار ہو جائے ایک موقع پر جب اس نے اپنے تمام ساتھیوں کو بحفاظت نکال دیا تھا اور خود بھاگ نکلنے کی تیاری کر رہا تھا حکومت کے سپاہی پہنچ گئے اور گرفتار کر لیا، اس مرتبہ وہ ایک رہزن اور ڈاکو کی حیثیت سے گرفتار ہوا تھا، اس کی سزا قتل تھی ابن ساباط نے جب دیکھا کہ جلاد کی تلوار سر پر چمک رہی ہے تو اس کے مجرمانہ خصائل نے اچانک دوسرا رنگ اختیار کیا وہ تیار ہو گیا کہ اپنے بچاؤ کے لئے اپنے ساتھیوں کی زندگیاں قربان کر دے، اس نے عدالت سے کہا کہ اگر وہ اسے قتل کی سزا نہ دے، تو وہ اپنے جتھے کے تمام چور گرفتار کرا دے گا۔ عدالت نے منظور کر لیا، اس طرح ابن ساباط خود تو قتل سے بچ گیا لیکن اس کے سو سے زیادہ ساتھی اس کی نشان دہی پر موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے، سو چوروں میں ایک بھی ایسا نہ تھا جس نے قتل ہونے سے پہلے ابن ساباط پر لعنت نہ بھیجی ہو۔ بدعہدی ایک ایسی برائی ہے جسے بڑے بھی سب سے بری برائی سمجھتے ہیں۔ ابن ساباط نے اپنے اس طرز عمل سے ثابت کر دیا تھا کہ وہ جرم سے بھی بڑھ کر برائی کا کوئی ایک درجہ رکھتا ہے۔

بہرحال ابن ساباط مدائن کے قید خانہ میں زندگی کے دن پورے کر رہا ہے اس کی آخری گرفتاری پر دس برس گزر چکے ہیں۔ دس برس کا زمانہ اس کے لئے کم مدت نہیں ہے کہ ایک مجرم کی سیہ کاریاں بھلا دی جائیں، لیکن ابن ساباط جیسے مجرم کے کارنامے مدتوں تک نہیں بھلائے جا سکتے، دس برس گزرنے پر بھی اس کے دلیرانہ جرائم کا تذکرہ بچہ بچہ کی زبان پر ہے لوگوں کو یہ بات بھولے سے بھی یاد نہیں آتی کہ ابن ساباط ہے کہاں اور کس حالت میں؟ کیونکہ یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے بھی نہیں، البتہ وہ اس کے دلیرانہ کارنامے بھولے نہیں کیونکہ اس تذکرہ میں ان کے لئے لطف اور دلچسپی ہے انہیں ابن ساباط کی نہیں اپنی دلچسپیوں کی فکر ہے۔

انسان کی بے مہریوں کی طرح اس کی دلچسپیوں کا بھی کیسا عجیب حال ہے عجیب عجیب اور غیر معمولی باتیں دیکھ کر خوش ہوتا ہے لیکن اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ اس کی دلچسپی کا یہ تماشا کیسی کیسی مصیبتوں اور شقاوتوں کی پیدائش کے بعد ظہور میں آتا ہے اگر ایک چور دلیری کے ساتھ

چوری کرتا ہے تو یہ اس کے لئے بڑی ہی دلچسپی کا واقعہ ہے۔ وہ اس کی صورت دیکھنے کے لئے بے قرار ہوجاتا ہے وہ گھنٹوں اس پر رائے زنی کرتا ہے اور وہ تمام اخبار خرید لیتا ہے جن میں اس کی تصویر چھپی ہوتی ہے یا اس کا تذکرہ کیا گیا ہو، لیکن اس واقعہ میں چور کیلئے کیسی شقاوت ہے؟ اور جس مسکین کا مال چوری کیا گیا اس کیلئے کیسی مصیبت ہے؟ اسکے سوچنے کی وہ کبھی زحمت گوارا نہیں کرتا۔

اگر ایک مکان میں آگ لگ جائے تو انسان کے لئے بڑا ہی دلچسپ نظارہ ہوتا ہے۔ سارا شہر امنڈ آتا ہے جس کو دیکھو بے تحاشا دوڑا جاتا ہے، لوگ اس نظارہ کے شوق میں اپنا کھانا پینا تک چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر انسانوں کے چند جھلسے ہوئے چہرے آگ کے شعلوں کے اندر نمودار ہوجائیں اور ان کی چیخیں اتنی بلند ہوں کہ دیکھنے والوں کے کانوں تک پہنچ سکیں تو پھر اس نظارہ کی دلچسپی انتہائی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ تماشائی جوش نظارہ میں مجنوں ہوکر ایک دوسرے پر گرنے لگتے ہیں لیکن انسانی دلچسپی کیا اس جہنمی منظر میں اس مکان اور اس کے مکینوں کے لئے کیسی ہلاکت اور تباہی ہے؟ اور جان ومال کی کیسی المناک بربادیوں کے بعد آگ اور موت کی یہ ہولناک دلچسپی وجود میں آسکی ہے؟ اس بات کے سوچنے کی نہ لوگوں کو فرصت ملتی ہے اور نہ وہ سوچنا چاہتے ہیں!

اگر انسان کے ابنائے جنس میں سے ایک بدبخت مخلوق کو سولی کے تختہ پر لٹکا دیا جائے تو یہ ان تمام نظاروں میں سے جن کے دیکھنے کا انسان شائق ہوسکتا ہے سب سے زیادہ دلچسپ نظارہ ہوتا ہے۔ اتنا دلچسپ نظارہ کہ گھنٹوں کھڑے رہ کر تکتی ہوئی نعش دیکھتا ہے مگر اس کی سیری نہیں ہوتی۔ لوگ درختوں پر چڑھ جاتے ہیں، ایک دوسرے پر گرنے لگتے ہیں صفیں چیر چیر کر نکل جانا چاہتے ہیں...... کیوں؟ اس لئے کہ اپنے ابنائے جنس کو جانکنی میں تڑپتے اور پھر ہوا میں معلق دیکھ لینے کی لذت حاصل کرلیں۔ لیکن جس انسان کے پھانسی پانے سے انسانی نظارہ کا یہ سب سے دلکش تماشا وجود میں آیا خود اس پر کیا گزری؟ اور کیوں وہ اس منحوس اور شرمناک موت کا مستحق ٹھہرا، سینکڑوں، ہزاروں تماشائیوں میں سے ایک کا ذہن بھی اس غیر ضروری اور غیر دلچسپ پہلو کی طرف نہیں جاتا۔

گرمیوں کا موسم ہے آدھی رات گزر چکی ہے مہینہ کی آخری راتیں ہیں بغداد کے آسمان پر ستاروں کی مجلس شبینہ آراستہ ہے مگر چاند کے برآمد ہونے میں ابھی دیر ہے دجلہ کے باہر کرخ کی تمام آبادی نیند کی خاموشی اور رات کی تاریکی میں گم ہے۔

اچانک تاریکی میں ایک متحرک تاریکی نمایاں ہوئی سیاہ لبادے میں تاریکی لپٹا ہوا آدمی خاموشی اور آہستگی کے ساتھ جارہا ہے وہ ایک گلی سے مڑ کر دوسری گلی اور دوسری گلی سے مڑ تیسری گلی میں پہنچا۔ ایک مکان کے سائبان کے نیچے کھڑا ہوگیا اب اس نے لمبی سانس لی گویا یہ مدت کی بند سانس تھی جسے اب آزادی سے ابھرنے کی مہلت ہے، پھر اس نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی یقیناً تین پہر رات گزر چکی ہے وہ اپنے دل میں کہنے لگا:

"مگر کیا بدنصیبی ہے جس طرف رخ کیا ناکامی ہوئی، کیا پوری رات اسی طرح گزر جائے گی؟"

یہ خوفناک ابن ساباط ہے جو دس برس کی طویل زندگی قیدخانے میں گزارنے کے بعد اب کسی طرح نکل بھاگا ہے اور نکلنے کے ساتھ ہی اپنا قدیم پیشہ از نو شروع کررہا ہے، یہ اس کی نئی مجرمانہ زندگی کی پہلی رات ہے۔ اس لئے وقت کے بے نتیجہ ضائع ہوجانے پر اس کا بے صبر دل پیچ وتاب کھارہا ہے۔

اس نے ہر طرف کی آہٹ لی زمین سے کان لگا کر دور دور کی صداؤں کا جائزہ لیا اور مطمئن ہوکر آگے بڑھا، کچھ دور چل کر اس نے دیکھا کہ ایک احاطہ کی دیوار دور تک چلی گئی ہے اور وسط میں ایک بہت بڑا پھاٹک ہی کرخ کے اس علاقے میں زیادہ تر امراء کی باغ تھے یا سوداگروں کے گودام تھے۔ اس نے خیال کیا یہ احاطہ یا تو کسی امیر کا باغ ہے یا کسی سوداگر کا گودام وہ پھاٹک کے پاس پہنچ کر رک گیا اور سوچنے لگا اندر کیوں کر جائے اس نے آہستگی کے ساتھ دروازہ پر ہاتھ رکھا لیکن اسے نہایت تعجب ہوا کہ وہ اندر سے بند نہیں تھا صرف

بھڑا ہوا تھا۔ ایک سیکنڈ کے اندر ابن ساباط کے قدم احاطہ کے اندر پہنچ گئے۔

اس نے دہلیز سے قدم آگے بڑھایا تو ایک وسیع احاطہ نظر آیا اس کے مختلف گوشوں میں چھوٹے چھوٹے حجرے سے بنے ہوئے تھے اور وسط میں نسبتاً ایک بڑی عمارت تھی یہ درمیانی عمارت کی طرف بڑھا عجیب بات ہے کہ اس کا دروازہ بھی اندر سے بند نہیں تھا۔ چھوتے ہی اندر سے کھل گیا، گویا وہ کسی کی آمد کا منتظر تھا یہ ایک ایسی بے باکی تھی جو صرف مشاق مجرموں ہی کے قدم میں ہوسکتی ہے اندر چلا گیا اندر جاکر دیکھا تو ایک وسیع ایوان تھا لیکن سامان راحت وزینت میں سے کوئی چیز بھی نہ تھی، قیمتی اشیاء کا نام ونشان نہ تھا، صرف ایک کھجور کے پتوں کی پرانی چٹائی بچھی تھی اور ایک طرف چمڑے کا تکیہ پڑا تھا، البتہ ایک طرف پشمینہ کے موٹے کپڑے کے بہت سے تھان اس طرح بے ترتیب پڑے تھے گویا کسی نے جلدی میں پھینک دیئے ہوں، اور ان کے قریب ہی بھیڑ کی کھال کی چند ٹوپیاں بھی پڑی تھیں اس نے مکان کی موجودات کا یہ پورا جائزہ کچھ ہی دیر میں اندھیرے میں دیکھ لینے والی آنکھوں سے لے لیا تھا یہ بغداد والوں کی بول چال میں ایک ہاتھ کا شیطان تھا جو اب پھر قید وبند کی زنجیریں توڑ کر آزاد ہوگیا تھا۔

دس برس کی قید کے بعد بن ساباط کو پہلی مرتبہ موقع ملا تھا کہ اپنے دل پسند کام کی جستجو میں آزادی کے ساتھ نکلے جب اس نے دیکھا کہ اس مکان میں کامیابی کے آثار نظر نہیں آتے اور یہ پہلا قدم بیکار ثابت ہوگا تو اس کے تیز اور بے لگام جذبات سخت مشتعل ہوگئے وہ دل ہی دل میں اسی مکان میں رہنے والوں کو گالیاں دینے لگا جو اپنے مکان میں رکھنے کے لئے قیمتی اشیاء فراہم نہ کرسکے، ایک مفلس کا افلاس خود اس کے لئے اس قدر درد انگیز نہیں ہوتا، جس قدر اس چور کے لئے جو رات کے پچھلے پہر مال ودولت کی تلاش کرتا ہوا پہنچتا ہے، اس میں شک نہیں کہ پشمینہ کے بہت سے تھان یہاں موجود تھے اور وہ کتنے ہی موٹے اور ادنیٰ قسم کے کیوں نہ ہوں مگر پھر بھی اپنی قیمت رکھتے تھے لیکن مشکل یہ تھی کہ ابن ساباط تنہا تھا اور صرف تنہا ہی نہیں تھا بلکہ دو ہاتھوں کی جگہ صرف ایک ہاتھ رکھتا تھا وہ ہزار ہمت کرتا اتنا بڑا بوجھ اس کے سنبھالے سنبھل نہ سکتا تھا اور وہ قانون کی موجودگی پر معترض نہ تھا، ان کے وزن کی گرانی اور اپنی مجبوری پر متاسف تھا، اتنی وزنی چیز چرا کر لے جانا آسان نہ تھا۔

"ایک ہزار لعنت کرخ اور اس کے باشندوں پر" وہ اندر ہی اندر بڑبڑانے لگا "نہیں معلوم! یہ کون احمق ہے جس نے یہ ملعون تھان جمع کررکھے ہیں غالباً کوئی تاجر ہے لیکن یہ عجیب طرح کا تاجر ہے جسے بغداد میں تجارت کرنے کے لئے اور کوئی چیز نہیں ملی! اتنا بڑا مکان بنا کر اس میں گدھوں اور خچروں کی جھول بنانے کا سامان جمع کردیا۔" اس نے اپنے ایک ہی ہاتھ سے ایک تھان کو ٹٹول ٹٹول کر پیمائش کی بھلا یہ ملعون بوجھ کس طرح اٹھایا جاسکتا ہے؟ ایک تھان کے اٹھانے کے لئے گن کر دس گدھے ساتھ لانے چاہئیں۔ لیکن بہر حال کچھ نہ کچھ کرنا ضروری ہے۔ رات جارہی تھی اور اب وقت نہ تھا کہ دوسری جگہ تلاش کی جائے اس نے جلدی سے ایک تھان کھولا اور اسے فرش پر بچھادیا، پھر کوشش کی کہ زیادہ سے زیادہ تھان جو اٹھائے جاسکتے ہوں اٹھالے مشکل یہ تھی کہ مال کم قیمت مگر بہت وزنی تھا، کم لیتا ہے تو بے کار ہے، زیادہ لیتا ہے تو لے جا نہیں سکتا۔ عجیب طرح کی کشمکش میں گرفتار تھا۔ بہر حال کسی نہ کسی طرح یہ مسئلہ طے ہوا لیکن اب دوسری مشکل پیش آئی صوف کا کپڑا بے حد موٹا تھا اسے موڑ دے کر گرہ لگانا آسان نہ تھا، دونوں ہاتھوں سے بھی یہ کام مشکل تھا چہ جائیکہ ایک ہاتھ سے؟ بلاشبہ اس کے پاس ہاتھ کی طرح پاؤں ایک نہ تھا لیکن وہ بھاگنے میں مدد دے سکتے تھے صوف کی گٹھڑی باندھنے کے لئے سودمند نہ تھے، اس نے بہت سی تجویزیں سوچیں، طرح طرح کے تجربے کیے دانتوں سے کام لیا کٹی ہوئی کہنی سے سہارا دیا لیکن کسی طرح بھی گٹھری میں گرہ نہ لگ سکی وقت کی مصیبتوں میں تاریکی کی شدت نے اور زیادہ اضافہ کردیا تھا۔

(باقی آئندہ)

شرک ایک عظیم گناہ

مطیع الرحمٰن عوف ندوی

اس دنیا میں بسنے والے انسان مختلف فکر وخیال اور عقیدہ ومذہب کے حامل ہیں، ان افراد کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) وہ لوگ جو عقیدہ توحید کے ماننے والے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کو ایک ماننے، جاننے والے اور یہ عقیدہ رکھنے والے کہ اس دنیا کا خالق ومالک اور اس کا چلانے والا، مخلوق کو زندگی وموت دینے والا، موت کے بعد برزخ، حساب وکتاب کے مراحل کو گزار کر جنت وجہنم کا فیصلہ کرنے والا بس اللہ تعالیٰ ہے، اس کا نہ کوئی شریک ہی نہ ساجھی، نہ اس کو کسی نے جنا ہے، اور نہ اس نے کسی کو جنا ہے، کوئی اس کا ہمسر اور ہم پلہ نہیں ہے۔

(۲) شرک کا عقیدہ رکھنے والے لوگ، اس کائنات میں بسنے والے افراد میں دوسری قسم ان افراد کی ہے جو شرک کا عقیدہ رکھتے ہیں، یعنی وہ یہ تو مانتے ہیں کہ اس جہاں کا کوئی خالق ومالک اور کارساز ہے، لیکن وہ اس کی قدرت میں کسی دوسرے کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں، کسی کو اس کا معاون مددگار قرار دیتے ہیں۔ یا کسی کو اس کا بیٹا، بیٹی مانتے ہیں، پانی، ہوا، موت وحیات یا کسی بھی قدرت خداوندی میں وہ دوسرے کو شریک وسہیم مانتے ہیں، شرک کی متعدد قسمیں اور اس کی تفصیلات ہیں، جو انشاء اللہ بعد میں بیان کی جائیں گی۔

(۳) تیسری قسم ایسے افراد کی ہے جو اس فکر کے حامل ہیں کہ اس دنیا کا سرے سے نہ کوئی پیدا کرنے والا ہے اور نہ ہی چلانے والا، یہ ایک فطری نظام ہے جو خود بخود چل رہا ہے، اس میں کسی ذات کو کوئی دخل نہیں ہے، دنیا خود سے آباد ہوگئی، اور انسان کی زندگی وموت بھی بس ایک از خود نظام کے تابع ہیں۔

اسلام ان آخرالذکر دونوں عقائد کو مسترد کرتا ہے، اسلام خالص عقیدہ، توحید کا داعی ہے، اسلام کی بنیاد ہے عقیدہ توحید پر ہے، اسلام نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنیوالے، اسکا ہمسر ماننے والے، یا کسی کو اس کا بیٹا، بیٹی ماننے والے کو مشرک قرار دیا ہے اور مشرک کا ٹھکانا جہنم ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولا تشرکوا بہ شیئا (الانعام۔ ۱۵۱) ترجمہ: اس (اللہ) کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو۔

اس لئے ایک مسلمان کی زندگی اسی عقیدہ توحید کے مطابق ہونی چاہئے اس کے اندر شرک کا شائبہ تک اس کو خطرے میں ڈال سکتا ہے۔ آپ خود غور کریں کہ جب اس دنیا میں ایک فرماں روا، ایک بادشاہ یہ گوارا نہیں کرسکتا کہ کوئی شخص اس کی حکمرانی میں رہتے ہوئے کسی دوسرے ملک کے حکمراں کے گن گائے۔ اس کے قوانین کی پابندی کرے اور اپنے ملک کے قوانین کی خلاف ورزی کرے۔ تو پھر خدا تعالیٰ کی ذات جس نے انسان کو ہزارہا نعمتوں سے نوازا، اگر انسان کی ایک نعمت مثلاً اس کی قوت گویائی یا بصارت (بولنے، دیکھنے کی صلاحیت) اس سے چھین لے تو اس دنیا میں اس کی کیا حیثیت رہ جائے گی، اتنی عظیم نعمتوں سے نوازنے والی ذات بھلا یہ کیسے گوارا کرسکتی ہے کہ اس کا بندہ کسی دوسرے کو اس کے ساتھ شریک کرے، اور اس کی عبادت اور اس کے احکام کی بجا آوری سے انحراف کرے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ شرک ہے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء (النساء:۴۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرتا ہے۔ اور اس کے علاوہ جس کو چاہتا ہے معاف کردیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرک حد درجہ مذموم ہے، یہ انسانی فطرت سے بالکل بے جوڑ ہے، اس کی حالت ایک خراب پودے کی سی ہے جس کی جڑ نہ ہو اللہ تعالیٰ نے خود اس کو اس طرح فرمایا:

ومثل کلمۃ خبیثۃ کشجرۃٍ خبیثۃ ن اجتثت من فوق الارض مالھا من قرار۔ (ابراھیم: ۲۶)

خبیث کلمہ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک فاسد پودا، جو زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ لیا جائے، اس کی کوئی جڑ نہ ہو۔ (جاری)

طیبہ میں برستی ہے گھٹا اور طرح کی

○ سیّد سلمان گیلانی ○

چلتی ہے مدینے میں ہوا اور طرح کی
گل اور طرح کے ہیں صبا اور طرح کی

تیزی سے پھلیں کیوں نہ نہالان مدینہ
ہوتی ہے یہاں نشوونما اور طرح کی

ہر آن یہاں رہتا ہے ایماں تروتازہ
پاتی ہے یہاں رُوح غذا اور طرح کی

شاداب جو رکھتی ہے سدا دل کے چمن کو
طیبہ میں برستی ہے گھٹا اور طرح کی

رکھے اگر کوئی یہاں دوشِ دل وجاں
ہر صبح خبر لائے صبا اور طرح کی

ہر حرف کو تو پائے گا آغوش اثر میں
ہوتی ہے یہاں طرزِ دُعا اور طرح کی

دو نفل پہ ایک عمرہ کا ملتا ہے یہاں اَجر
دیکھی ہے مساجد میں قبا اور طرح کی

سر دینے کی ہمت ہے تو آ، ورنہ پلٹ جا
زاہد ہے رہِ عشق ذرا اور طرح کی

کہنے کو تو یوں لاکھوں وفادار ہیں سلمان
صدیقؓ وعمرؓ کی ہے وفا اور طرح کی

حضرت مولانا مفتی تقی صاحب دامت برکاتہم

آدم خوری کی لذت

کراچی یونیورسٹی سے ایک پروفیسر صاحب نے اپنے ایک خط میں مجھے لکھا:

"غیبت کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور قرآن مجید سب سے میں متفق ہوں کہ غیبت ایسی چیز ہے جیسے بھائی کا گوشت کھائے لیکن میری الجھن نفسیاتی ہے (میں نفسیاتی فلسفہ اور عمرانیات کا طالب علم ہوں) انسان اگر غیبت سے اپنے آپ کو روکے رکھے تو یہ گویا تقویٰ ہے لیکن عام زندگی میں ہم جب ایک دوسرے کا اس کی غیر حاضری میں ذکر کرتے ہیں تو ہمیں اس کا احساس نہیں ہوتا، عورتیں اس معاملے میں بہت آگے ہیں، کسی دعوت سے آنے کے بعد تنقید کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ کھانے، کپڑے، سب پر تنقید ہوتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر ہم دوسروں کے متعلق بات نہ کریں تو پھر کیا کریں؟ خاموشی یقیناً سب سے بہتر ہے لیکن وہ کسی ولی اللہ یا بزرگ کو زیب دیتی ہے۔ ہم کو نہیں اگر دوسروں کے ذکر کو نکال دیا جائے تو ہماری روزانہ کی گفتگو میں کچھ نہ رہے گا ہم تمام وقت خاموش بیٹھے رہیں گے۔ مختصراً غیبت ایک بہت بری نفسیاتی الجھن ہے۔ ہم تقویٰ اختیار نہ کریں تو نہ کسی کی برائی کریں اور نہ کسی کی برائی سنیں ایسا کرنے کے لئے ہمیں بہت جدوجہد کرنی ہوگی جو عام زندگی میں ممکن نہیں ہے۔ غیبت کے بغیر ہماری زندگی ایسی ہوگی جیسے ساز کے بغیر موسیقی۔ اس موضوع پر اگر آپ اخبار جنگ ہی میں لکھ دیں تو شاید یہ میری طرح بہت سے لوگوں کی الجھن دور کرسکے۔"

پروفیسر صاحب نے جو سوال اٹھایا ہے کہ اس کے جواب کے لئے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ "غیبت" کیا چیز ہے؟ اسے سمجھنے کے لئے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے مختصر اور جامع لفظوں میں "غیبت" کی نپی تلی حقیقت بیان فرمادی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

"غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کا تذکرہ (اس کی غیر حاضری میں) اس انداز سے کرو کہ (اگر اسے پتہ چلے تو) اسے ناگوار ہو۔"

"غیبت" کی اس تعریف میں بنیادی اہمیت اس بات کو حاصل ہے کہ کسی کا تذکرہ اس طرح کیا جائے کہ وہ اس کے لئے ناگواری کا موجب ہو، اگر اس بات کا یقین ہو کہ اس تذکرے سے ناگواری نہ ہوگی تو وہ غیبت نہیں ہے۔ خواہ اس کی کسی برائی ہی کا بیان ہو۔

لہٰذا اگر کچھ دوست آپس میں بے تکلف ہیں اور ان کے درمیان ہنسی مذاق اس طرح چلتا رہتا ہے کہ اس میں کسی شخص کی واقعی برائی کا بیان اسے ناگوار نہیں گذرتا اور ایسی صورت میں وہ اپنے کسی غیر حاضر دوست کا تذکرہ اسی بے تکلفی کے ماحول میں کرتے ہیں اور اس میں اس کی کوئی برائی بھی بیان کردیتے ہیں جس کے بارے میں غالب گمان ہوتا ہے کہ وہ اس غائبانہ تذکرہ کو ناگوار نہیں سمجھے گا، تو یہ "غیبت" نہیں ہے لیکن اگر وہی بات اس دوستانہ ماحول سے ہٹ کر کسی ایسی جگہ کہی جاتی ہے جہاں وہ اس دوست کے خفت، تذلیل یا تحقیر کا موجب ہو تو ظاہر ہے کہ یہ بات اسے ناگوار ہوگی اور "غیبت" میں داخل ہوجائے گی۔

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ پہلی صورت میں دوستوں کا مقصد اپنے دوست کی بدخواہی، تحقیر یا تذلیل نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے ساتھ بے تکلفی کا اظہار ہوتا ہے جو محبت ہی کا ایک شعبہ ہے اس لئے ایسا تذکرہ نہ اس کے لئے مضر ہے، نہ اس سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے۔ اور نہ اسے ناگوار ہوتا ہے۔ ہاں! بعض لوگ دوستی میں بھی زیادہ حساس ہوتے ہیں اور اس قسم کے بے تکلف ماحول میں بھی برائی سے اپنا تذکرہ انہیں ناگوار ہوتا ہے، ایسا تذکرہ پھر غیبت میں داخل ہوجائے گا۔

اس تشریح سے یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ کسی کی غیر موجودگی میں اس کا کوئی تذکرہ اسی وقت غیبت بنتا ہے جب وہ اس شخص کی ناگواری یا دل آزاری کا سبب ہو اس کے بغیر نہیں پھر غیبت اسی وقت ناجائز اور حرام ہے۔ جب اس کا کوئی جائز مقصد نہ ہو، لیکن اگر "غیبت" کسی جائز اور معقول وجہ سے کی جائے تو حرام نہیں ہے مثلاً ایک مظلوم شخص کسی کے ظلم کا نشانہ بنا ہو اور وہ ظالم کی غیر موجودگی میں اپنی مظلومیت کا ذکر کرے تو یہ جائز ہے۔ خواہ ظالم کو ناگوار کیوں نہ ہو، اسی طرح اگر کسی شخص کی کوئی برائی اس لئے بتانی ضروری ہو کہ لوگ اس کی برائی کا شکار نہ ہوں اور اس کی دھوکہ بازی یا اس کے کسی اور شر سے محفوظ رہیں تو یہ غیبت بھی ناجائز نہیں ہے۔ بلکہ بعض اوقات واجب ہوجاتی ہے۔ لیکن اس قسم کی کسی وجہ کے بغیر کسی شخص کی برائی محض تفریح طبع کے لئے یا اس کی تذلیل کے لئے اس طرح اس کی پیچھے بیان کرنا ضرور حرام ہے اور سخت حرام ہے جس سے اس کی دل شکنی اور دل آزاری ہو یا اسے تکلیف پہنچے جس غیبت کو قرآن مجید، حرام قرار دے کر اسے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر کیا ہے۔ وہ یہی غیبت ہے۔

غیبت کی یہ حقیقت واضح ہوجانے کے بعد اب ہر شخص کو خود اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھنا چاہئے کہ اگر ہمیں یہ اطلاع ملے کہ فلاں مجلس میں ہمارا اس طرح مذاق اڑایا گیا ہے یا مزے لے لے کر ہماری برائیاں بیان کی گئی ہیں تو کیا یہ خبر ہمارے لئے دل آزاری، دل شکنی یا تکلیف کا موجب نہیں ہوگی؟ اور کیا ہمیں ان لوگوں سے شکایت پیدا نہیں ہوگی جو محض مجلس آرائی کی خاطر ہماری تحقیر کرتے رہے؟ اگر ہوگی اور ہم ان کے اس عمل کو اچھا نہیں سمجھیں گے تو دوسروں کے لئے ہم اس عمل کو کس طرح جائز اور برحق قرار دے سکتے ہیں جو ان کی ناگواری کا باعث ہے؟

آپ فرماتے ہیں کہ ہم نے کسی کی جس برائی کا تذکرہ کیا، وہ واقعۃً اس میں موجود تھا۔ ہم نے اس پر کوئی غلط الزام نہیں لگایا، ٹھیک ہے۔ آپ نے جھوٹ نہیں بولا لیکن سوال یہ ہے کہ اگر آپ کی واقعی برائیاں اس طرح برسر عام بیان کی جایا کریں تو یہ آپ کو ناگوار ہوگا یا نہیں؟ اگر ناگوار نہیں ہوگا تو یہ غیبت ہی نہیں اور اگر ناگوار ہوگا تو جو چیز اپنے لئے ناگوار ہے دوسروں کے لئے کس منطق یا فلسفے سے گوارا کی جاسکتی ہے؟

بات دراصل یہ ہے کہ جس شخص میں کوئی عیب ہو، اگر وہ اس کا اختیاری عیب ہے، مثلاً کوئی گناہ، بدعملی، تو نرمی اور خیرخواہی سے خود اس کو متنبہ کرنا چاہئے، نہ یہ کہ دوسروں کے سامنے اسے رسوا کیا جائے۔ الا یہ کہ بدعملی سے کسی کو نقصان پہنچ سکتا ہو تو ایسے میں دوسروں کے سامنے بیان کرنا بھی جائز ہے اور اگر وہ عیب غیر اختیاری ہے مثلاً کوئی پیدائشی جسمانی عیب تو اس میں اس بیچارے کا کیا قصور کہ اس کی وجہ سے اس کا تذکرہ حقارت یا استہزا کے انداز میں کیا جائے؟

پروفیسر صاحب نے فرمایا "ایک نفسیاتی الجھن ہے۔ میں اس میں ذاتی تبدیلی کرکے یہ عرض کروں گا کہ یہ ایک نفسیاتی بیماری ہے جس غیبت کو قرآن وسنت نے حرام قرار دیا ہے۔ اس پر جب بھی انصاف کے ساتھ غور کیا جائے گا، اس کی تہ میں کوئی نہ کوئی ایسا محرک ضرور نکلے گا جو کسی نہ کسی نفسیاتی روگ کی نشاندہی کرے گا۔

بعض اوقات اس کا محرک حسد ہوتا ہے ہم کسی شخص کو آگے بڑھتا دیکھتے ہیں یا لوگوں سے اس کی تعریف سنتے ہیں تو دل میں یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کی برائی کرکے اپنے حسد کو تسکین دی جائے بعض اوقات غیبت کا محرک احساس کمتری یا تکبر ہوتا ہے۔ ہم آپ کو دوسروں سے بڑا باور کرنا چاہتے ہیں اور اس شوق میں کسی کی برائی کرتے ہیں کہ ہمیں اس برائی سے پاک سمجھا جائے کبھی اس کا محرک صرف یہ ہوتا ہے کہ دوسروں کا مذاق اڑا کر مجلس میں مقبولیت حاصل کریں یعنی ہم اپنی مقبولیت کی عمارت دوسرے کی آبرو پر کھڑی کرنا چاہتے ہیں۔

امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اس طرح کے گیارہ نفسیاتی اسباب کا ذکر فرمایا ہے جن کی وجہ سے انسان اس حرام غیبت میں مبتلا ہوتا ہے۔ یہ تمام اسباب درحقیقت کسی نہ کسی

اندرونی روگ کی نشان دہی کرتے ہیں۔

یہ تو غیبت کے اسباب تھے۔ نتائج کا معاملہ یہ ہے کہ اسی غیبت کی بدولت باہمی رنجشوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، اس سے دلوں میں بغض کی گرہیں پڑتی ہیں محبت اور خلوص کے جگہ منافقت اور دکھاوٹ پیدا ہوتی، ملاپ کی ہزار رسمی کارروائیوں کے باوجود اندر ہی اندر کینے کا لاوا پکتا رہتا ہے اور بالآخر کسی وقت باقاعدہ لڑائی جھگڑے میں اگر غیبت کا رواج عام ہے تو اس کے یہ نتائج بھی عام اور واضح ہیں جنہیں ہر شخص کھلی آنکھوں دیکھ سکتا ہے۔ اب خود دیکھ لیجئے کہ غیبت زندگی کو موسیقی کا ساز ہے یا محبت وخلوص کے لئے جنگ کا نقارہ؟

پروفیسر صاحب نے درست فرمایا ہے کہ ہمارے معاشرے میں اکثر وبیشتر مجلسیں غیبت کے گناہ سے ملوث ہوتی ہیں۔ لیکن اگر صرف رواج عام کی بنیاد پر برائیوں کو سند جواز دینے کی طرف پڑ جائے تو پھر رشوت، خیانت، جھوٹ اور مکروفریب وغیرہ میں سے کوئی چیز بھی بری نہیں رہے گی۔ کسی چیز کے اچھے یا برے ہونے کا فیصلہ اس بات سے نہیں ہوتا کہ معاشرے میں اس کا کتنا رواج ہوگیا ہے؟ بلکہ اس چیز کا ذاتی حسن وقبح ہی اس کا فیصلہ کرتا ہے، جب آپ خود یہ تسلیم فرماتے ہیں کہ غیبت بھائی کا گوشت کھانے جیسی چیز ہے تو ظاہر ہے کہ محض رواج عام کی بنیاد پر آدم خوری کو جائز نہیں کیا جاسکتا۔

رہا یہ سوال کہ اگر ہم دوسروں کے متعلق بات نہ کریں تو پھر کیا کریں؟ یا یہ خیال کہ اگر دوسروں کے ذکر کو نکال دیا جائے تو ہماری روزانہ کی گفتگو میں کچھ نہ رہے گا تو ظاہر ہے کہ یہ باتیں مبالغے پر مبنی ہیں۔ کیا واقعی دوسروں کی برائی کے سوا ہمارے پاس بات کرنے کے لئے کوئی موضوع نہیں ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں خود اپنے عیوب کی اصلاح کی فکر فرمادے تو شاید ہمارے پاس بولنے ہی کے لئے نہیں سوچنے کے لئے بھی کوئی اور موضوع نہ رہے جو شخص خود کسی شدید درد یا مہلک بیماری میں مبتلا ہو وہ دوسرے کے نزلے کھانسی کا تذکرہ کرے گا یا اپنے درد وتکلیف کا؟ لیکن اگر اس اعلیٰ مقام سے بھی تھوڑی دیر کے لئے صرف نظر کرلیں تب بھی "غیبت" کو چھوڑنا دو وجہ سے مشکل معلوم ہوتا ہے۔ ایک تو اس لئے کہ غیبت کی صحیح حقیقت معلوم نہیں ہوتی اور بعض مرتبہ اس بات کو بھی غیبت سمجھ لیا جاتا ہے جو درحقیقت غیبت نہیں ہے۔ یا غیبت تو ہے لیکن حرام ہے جس کی تھوڑی تفصیل میں بھی عرض کرچکا ہوں دوسروں پر ہر تنقید غیبت نہیں ہوتی صرف وہ تنقید غیبت ہے جو کسی جائز وجہ کے بغیر اس طرح کی جائے کہ وہ متعلقہ شخص کو ناگوار ہو یا اس کی دل آزاری کا سبب بنے۔ لوگ ہر قسم کی تنقید کو غیبت اور حرام سمجھ کر یہ سوچنے لگتے ہیں کہ غیبت چھوڑنا قابل عمل نہیں ہے اور پھر ہر قسم کی غیبت کا بے محابا ارتکاب کرتے چلے جاتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جب کسی بیماری کی وجہ سے ذائقہ خراب ہوجائے (یا کسی فکری یا نفسیاتی بیماری سے ذوق بگڑ جائے) تو میٹھی چیز کڑوی معلوم ہونے لگتی ہے۔ پھر کڑوی چیز کو چھوڑنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اس کا علاج یہ نہیں کہ کڑوی چیز کو میٹھی ثابت کرنے کی وشش کی جائے۔ بلکہ اس کا علاج یہ ہے کہ اس بیماری کے ازالے کی فکر کی جائے جس نے ذوق یا ذائقہ بگاڑ رکھا ہے۔ اس کے لئے کسی ایسے طبیب کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے جو بیماری کی صحیح تشخیص کرکے اس کا علاج کرے اور یہ بھی سوچنا پڑتا ہے کہ بیماری کی وجہ سے فیصلہ میرا صحیح نہیں صحیح فیصلہ اس ماہر طبیب ہی کا ہے۔ خواہ وہ مجھے بظاہر کتنا غلط یا مشکل معلوم ہوتا ہو جب انسان اس طبیب کے کہنے پر عمل کرتا ہے تو رفتہ رفتہ بیماری دور ہوجاتی ہے۔

انسان کا حال یہی ہے کہ مختلف بیرونی عوام سے اس کا ذوق اور ذائقہ بگڑتا رہتا ہے اور وہ مہلک چیزوں کو لذیذ سمجھنے لگتا ہے۔ ایسے ہی مواقع پر قرآن وحدیث اس کیلئے طبیب کا کام کرتے ہیں جو ان کی بات مان کر عمل کرلیتا ہے، اسکی بیماری دور ہوجاتی ہے اور پھر اسے زندگی کا لطف گناہوں کی لذت درحقیقت ایسی لذت ہے جیسے خارش زدہ شخص کو اپنی خارش کی جگہ کھجانے میں لذت محسوس ہوتی ہے، لیکن وہ محض دھوکے کی لذت ہے جو صحت اور تندرستی کی لذت کے آگے کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ ●

سود کی لعنت

پروفیسر عفت گل اعزاز

سود کیا ہے؟

اگر ایک شخص کسی فرد یا ادارے سے ایک مقررہ مدت تک کے لئے کوئی رقم ادھار لیتا ہے، تو رقم واپس کرتے وقت اسے اصل رقم سے زیادہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ یہ اضافی رقم سود کہلاتی ہے۔ قرض دینے والے کو بیٹھے بٹھائے مفت میں بلا کسی محنت کے روپیہ ملتا رہتا ہے جب کہ قرض مانگنے والا ایک جرمانے کے طور ر یہ زائد رقم ادا کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ اگر قرض لینے والا اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے مقررہ وقت پر رقم واپس نہ کرسکے تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سود کی رقم بڑھتی جاتی ہے۔ وہ یہ رقم ادا کرنے کے لئے کسی دوسرے شخص سے ادھار لے لیتا ہے۔ بعض اوقات ایک معمولی سی رقم ادا کرنے کے لئے اسے اپنے اثاثے بیچنے پڑتے ہیں اور مفلس نادار لوگوں کو یہ ستم بھی برداشت کرنا پڑتا ہے۔ کہ باپ کا قرض اس کی موت کے بعد بیٹے کے گلے کا طوق بن جاتا ہے جس کو اتارنے کے لئے اسے بہت سی مصیبتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔

سود خور

سود خور صرف اپنے پیسے پر نظر رکھتا ہے، وہ خودغرض، لالچی اور بے درد ہوتا ہے، اس کے دل میں پیسے کی ہوس بڑھتی چلی جاتی ہے، اس کے دل سے انسانوں کے لئے ہمدردی، محبت، خلوص، بھائی چارہ اور دوسروں کے کام آنا دوسروں کی مدد کرنا، دوسروں کے دکھ میں ساتھ دینے کے عمدہ جذبات ختم ہوجاتے ہیں۔ اس کی سوچ اور اس کا عمل عجیب وغریب ہوجاتا ہے، وہ دولت کی لالچ میں باؤلا سا ہوجاتا ہے، سورہ بقرہ کی آیت ٢٧٥۔ ٢٧٦ میں ارشاد خداوندی کا مفہوم ہے:

"مگر جو لوگ سود کھاتے ہیں ان کا حال اس شخص کا سا ہوجاتا ہے جسے شیطان نے چھوکر باؤلا کردیا ہو، اور اس حالت میں ان کے مبتلا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔ لہٰذا جس شخص کو اس کے رب کی طرف سے یہ نصیحت پہنچے اور آئندہ کے لئے وہ سود خوری سے باز آجائے تو جو کچھ وہ کھا چکا، اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور اس کے حکم کے بعد پھر اس سود خوری کا اعادہ کرے، وہ جہنمی ہے، جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ سود کے خاتمے کا حکم دیتا ہے، اللہ کسی ناشکرے بدعمل انسان کو پسند نہیں کرتا۔"

سود کے معاشرے پر اثرات

سود انسانی خصوصیات، محبت اور ہمدردی کی جڑ کاٹتا چلا جاتا ہے، سود فریقین کو نقصان پہنچاتا ہے، سود اخلاقی، روحانی معاشی، تہذیب وتمدن کی ترقی میں رکاوٹیں کھڑی کرتا ہے، سود ایسی لعنت ہے جو معاشرے میں برائیوں کے فروغ کا سبب بنتا ہے۔ صاحب ثروت یعنی قرض دینے والے لوگ معاشرے کے ضرورت مند غریب طبقے مثلاً مزدور، ہاری، کاشتکار اور مفلس لوگوں کا خون چوستے ہیں۔ یہ لوگ اپنا اور بچوں کا پیٹ کاٹ کر سود کی رقم ادا کرتے ہیں لیکن سودی کاروبار کی وجہ سے اصل رقم سے کئی کئی گنا زیادہ رقم ادا کردینے کے بعد بھی قرض کی رقم برقرار رہتی ہے، ان کی مالی حالت کمزور ہوتی چلی جاتی ہے، جس کا اثر ان کے گھر کے ماحول اور ان کی صحت پر نہایت برا پڑتا ہے، جب محنت کرنے پر بھی بچوں کو پیٹ بھر کے کھانے کو نہ ملے، بیمار کو دوا نہ ملے تو طبیعت پر اداسی اور بے زاری چھانے لگتی ہے، گھر کے افراد ایک دوسرے پر الجھ پڑتے ہیں، لڑائے جھگڑے بڑھتے ہیں، گھریلو مسائل بڑھتے ہیں، فقرو

فاقے سے جانین ضائع ہونے لگتی ہیں، ان کی کمائی کا اکثر حصہ سودخور کی جیب میں جاتا ہے جسے کسی کی صحت، سلامتی اور بھلائی سے کیا سروکار؟

یہ تو ان افراد کی بات تھی جو مجبوری کے باعث قرض لیتے ہیں، وہ لوگ جو انڈسٹری لگانے یا کاروبار کے لئے قرض لیتے ہیں ان پر بھی سودی کاروبار کے نہایت تکلیف دہ اثرات ہوتے ہیں۔ کاروبار کے لئے ایسے ادارے صرف ان لوگوں کو قرض دیتے ہیں جو کاروبار میں کامیابی اور منافع کا یقین دلا سکیں اور جن میں نقصان کا اندیشہ ہو ایسے کاروبار کے لئے قرضہ فراہم نہیں کیا جاتا، گویا انہیں کاروبار کرنے کی اجازت دی جائے، جو چاہے معاشرے کے لئے مفید ہو یا نہ ہو۔ چاہے اس کے معاشرے کو ضرورت ہو یا نہ ہو، مگر وہ مالی فائدہ دے قرض دینے والے ہر حال میں اپنی رقم مع سود کے واپس لینا چاہتے ہیں اگر کوئی کاروبار شروع کیا جائے تو اس میں خطرہ تو ہمیشہ اٹھانا پڑتا ہے۔ ضروری نہیں ہوتا کہ ہر کاروبار، ہر حالت میں ضرور منافع ہی دے گا اور ضرور کامیاب ہوگا اور اس میں کبھی گھاٹا نہ ہوگا۔

اگر کسی کاروبار میں گھاٹا ہونے لگے قرض دینے والے ادارے کو کاروبار کی کامیابی یا ناکامی سے کوئی مطلب نہیں ہوتا بلکہ وہ انتہائی خودغرضی سے صرف اپنی رقم اور سود میں ملنے والی رقم سے دلچسپی رکھتا ہے اور وہ اپنی رقم واپس کھینچنے میں لگ جاتا ہے۔ یہ خودغرضی اور زر پرستی کا رجحان ہوتا ہے جو معاشرے میں خدا خوفی رکھنے والے، فیاض، فراخدلی، ہمدرد اور دوسروں کو فائدہ پہنچانے والے، نیکی کے کاموں میں حصہ لینے والوں کی تعداد گھٹتی چلی جاتے ہے اور خلق خدا کے مصائب اور دکھوں سے بے نیاز ہوکر لالچی اور مطلب پرست لوگ دولت کے انبار جمع کرنے کی ہوس میں غرق ہوتے چلے جاتے ہیں اور معاشرے میں ابتری اور ناہمواری بڑھنے لگتی ہے۔

سود کے بارے میں قرآنی احکامات:

قرآن پاک میں سورۂ بقرہ کی آیت ۲۷۸۔۲۸۰ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں جس کا مفہوم ہے:

ترجمہ: ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو خدا سے ڈرو، اور جو کچھ تمہارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے، اسے چھوڑ دو، اگر تم واقعی ایمان لائے ہو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہوجاؤ کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے، اب بھی توبہ کرلو (اور سود چھوڑ دو) اپنا اصلی سرمایہ لینے کے تم حقدار ہو، نہ تم ظلم کرو، تم پر ظلم کیا جائے، تمہارا قرضدار تنگ دست ہو تو ہاتھ کھلنے تک اسے مہلت دو، اور جو صدقہ کردو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے، اگر تم سمجھو۔ اس دن کی رسوائی سے بچو جب کہ تم اللہ کی طرف واپس ہوگے، وہاں ہر شخص کو اس کی کمائی ہوئی نیکی یا بدی کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔''

سورۂ آل عمران آیت ۱۰۲ میں آتا ہے جس کا مفہوم ہے:

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔''

سود کو اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور اس سے بچنے کی سخت تاکید آئی ہے، یہاں تک کہ سود کو نہ چھوڑنے والوں کے لئے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے اعلان جنگ کیا گیا ہے، یہ ایک سخت تنبیہ ہے۔

اس کی وجہ یہی ہے کہ سود ایک تباہ کن اثرات کا حامل ہے جو انسانوں کے دل سے خیر کو نکال دیتا ہے۔ سود قطعی حرام ہے، سودی کاروبار سے حاصل ہونے والی رقم حرام ہے اور مال حرام کھانے کے بہت نقصانات ہیں، اور مال حرام کھانے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی، خواہ وہ کتنی ہی گڑگڑا کر کی جائے اور رب کو بے قرار ہوکر مدد کے لئے پکارا جائے، اللہ تعالیٰ اس بندے کی شنوائی نہیں کرتا، مال حرام حاصل کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ اس رقم میں سے کچھ رقم صدقہ کردی جائے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کردی جائے تو باقی مال حلال ہوجائے گا تو یہ بات بالکل غلط ہے، اللہ تعالیٰ ایسے کسی صدقے کو قبول نہیں فرماتے۔ وہ ناپاک چیزیں قبول نہیں کرتا، حرام کے پیسے سے کیا گیا حج اور عمرہ بھی خدا کے ہاں مقبول نہیں ہوتا۔ حرام روپے سے بری عادتیں نشو ونما پاتی ہیں، اولاد کی پرورش کرنے کے بھی بہت

نقصانات ہیں اور وہ گوشت پوست بھی حرام ہوتا ہے اور ان میں سورہ بقرہ کی آیات جن میں سود کو ختم کرنے کا حکم دیا گیا ہے، فتح مکہ کے بعد نازل ہوئیں، اس کے بعد سودی کاربار کو ایک جرم قرار دے دیا گیا۔

ابن عباس، حسن بصری اور دیگر علماء کی رائے کے مطابق سود کھانے والوں کو توبہ پر مجبور کیا جائے، دیگر فقہا کی رائے کے مطابق سود کھانے والوں کو قید کردیا جائے جب تک کہ وہ سود چھوڑنے کا وعدہ نہ کرلیں۔

کاروبار اور منافع کی صحیح شکل

یہ بات درست ہے کہ ملکی مالی حالت کی ابتری روز بروز بڑھتی ہوئی مہنگائی کے سبب روپے کی قدر بھی گھٹتی جارہی ہے، دس سال پہلے ایک سو روپے کی جو قدر تھی اب اس سے کہیں کم ہوچکی ہے۔ اس لئے سرکاری ملازمین کی پنشن اور فنڈز کے سلسلے میں روپے کی قیمت کو مدنظر رکھا جائے اور بجائے سود کے حکومت انہیں اپنی طرف سے اضافی رقم دے، جسے منافع کا نام دیا جائے، اسی طرح کاروبار بچت اسکیموں اور بینک میں رکھی گئی رقوم کو تجارت اور شراکت داری میں تبدیل کیا جانا چاہئے، جس میں نفع اور نقصان دونوں میں شریک ہوں اور سود کو بالکل ختم کردیا جانا چاہئے۔

سود کی لعنت کو ختم کرنے کے بعد امیر اور صاحب حیثیت وثروت لوگ اپنی سوچ کو تبدیل کریں ''مایا کو مایا کھینچے کر لمبے ہاتھ'' والی سوچ کی جگہ ''کر بھلا، ہو بھلا، کی پالیسی اپنائی جائے۔

اگر کوئی ضرورتمند قرض لیتا ہے تو اس سے صرف اصل رقم ہی واپس لی جائے اور اگر قرض لینے والا اس درجہ مجبور اور پریشان حال ہو تو وہ رقم معاف کردی جائے۔ یہ رقم خدا کی راہ میں صدقہ ہوگی اور یقینی طور پر اس کا اجر ملے گا۔ کسی ضرورت مند کی حاجت پوری کرنا کار ثواب ہے اور یہ کام اللہ تعالیٰ کو پسند ہے زیادہ بڑی رقم اگر کاروبار کی نیت سے قرض لی جاتی ہے تو اس صورت میں دونوں فریقین نفع ونقصان کے حصہ دار بن کر کام کریں، یہ کاروبار چل نکلے تو فریقین اس سے مستفید ہوں گے۔

اگر کوئی صاحب حیثیت اپنی ضروریات سے زائد رقم حکومت کے بیت المال میں جمع کرادے کہ اس رقم سے عوام کی فلاح و بہبود کے کام کیے جائیں اور جب وہ چاہے اس رقم کو حاصل کرسکے۔

ضروریات سے زیادہ دولت خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنے فضل سے نوازتا ہے تو بندے کو چاہئے کہ وہ اللہ کی مخلوق پر اس دولت کو فراخ دلی سے خرچ کرے اور ضرورت مندوں کو اس دولت سے فائدہ پہنچائے۔ اس طرح مال ودولت میں مزید برکت ہوتی ہے اور اضافہ ہوتا ہے۔ ع

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس دانے کی ہے جس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ تعالیٰ جسے چاہے بڑھا چڑھا کردے۔

سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۶۱ کا مفہوم ہے۔

''ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی طلب میں دل کی خوشی اور یقین کے ساتھ خرچ کرتے ہیں، اس باغ جیسی ہے جو اونچی زمین پر ہو اور زوردار بارش اس پر برسے اور وہ اپنا پھل دگنا لادے اور اگر اس پر بارش نہ بھی برسے تو پھلواری ہی کافی ہے اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔''

سود کے خاتمے کیلئے عملی اقدامات

ہم لوگوں کو بہت سی مشکلات کا سامنا ہے، بہت سے لوگ جو خلوص دل سے چاہتے ہیں کہ وہ سود جیسے ممنوعہ اور حرام فعل سے بچیں اور اپنے ہر لین دین کو سود سے پاک کرسکیں تو وہ سخت مایوس اور ناکام ہوتے ہیں اور یہ معاملات کسی فرد کے بس کی بات نہیں، جو تھوڑا بہت روپے بچت کے طور پر چاہے بینک میں رکھا جائے یا اس کے حکومت کے جاری کردہ سرٹیفکیٹ خرید لئے جائیں، ان میں سے ہر جگہ سود کی ملاوٹ ہوتی ہے، ملازمین کی مدت ملازمت ختم ہونے کے بعد جو رقم ملتی ہے اس میں بھی سود

شامل ہوتا ہے، جولوگ مکان کی تعمیر کے لئے قرضہ حاصل کرتے ہیں، اس کو مع سود واپس کرنا ہوتا ہے۔ انفرادی طور پر بہت سے لوگ سود کو "منافع" سمجھ کر وصول کرتے ہیں، سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ سود سے چھٹکارا حاصل کرنا کسی بھی فرد کے بس میں نہیں، یہ تو غیر سودی نظام کے قائم کرنے پر ہی ممکن ہے اور یہ کام ملک کی سب سے بڑی اتھارٹی یعنی حکومت کا فرض ہے۔

ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم سب کے لئے ہدایت کا بہترین ذریعہ قرآن پاک ہے، قرآن پاک کی واضح ہدایت یہی ہے کہ سود کو فوری ترک کردیا جائے، ہمارے پیارے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں اعلان فرمایا:

"جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کردئے گئے، سب سے پہلے میں اپنی خاندان کا سود عباس بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کو باطل قرار دیا لیکن ہمارے معاشرے میں یہ منحوس کاروبار عروج پر ہے، ہم میں سے شاید کچھ لوگ نہیں جانتے کہ سود کس قدر بری، رسوا کن چیز ہے، اور جس کا انجام نہایت بھیانک ہے آخرت میں جوانسان کو جہنم کے گڑھے میں ڈھکیل دے، یہ کیسی لاعلمی ہے؟ یہ کیسی بھول چوک ہے؟ یہ سنگین غلطی کب تک چلے گی؟

دنیا کے ممالک کے درمیان تجارتی معاملات میں سود ایک لازمی جزو کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ یہودیوں کا وطیرہ رہا ہے کہ وہ دولت کے ذریعے مزید دولت حاصل کرنے کے لئے بڑی شاطرانہ چالیں چلتے ہیں۔ اس وقت بھی دنیا کے اہم کاروبار پر یہودی قابض ہیں۔ ان کے ہر منصوبے میں دولت بڑھانے کی ہوس اور لالچ شامل ہوتی ہے، وہ یہودی ہیں، ان کے اپنے طریقے ہیں۔ لیکن الحمدللہ ہم مسلمان ہیں، ہمارے لئے زندگی کے راستے واضح اور روشن ہیں، اس لئے ہمیں تو اسی راستے پر چلنا ہے، جس پر چل کر پروردگار کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو۔ ●●●

مکہ مکرمہ میں

مجھ پر خدا کا بیشمار فضل وکرم ہے آج کل
لیل ونہار بار بار طوف حرم ہے آج کل
زمزم کا جام ہاتھ میں ذکر خدا ہے ساتھ میں
میری نظر کے سامنے باب حرم ہے آج کل
تھامے ہوئے غلاف کو بہر دعا حطیم میں
ناچیز بندہ یہ ترا طالب کرم ہے آج کل
ذکر خدا زبان پر گرم طواف روز وشب
روکر چمٹنا بار بار بہر ملتزم ہے آج کل
اسود حجر کا چومنا ہے شغل میرا روز وشب
اور ہاتھ میرے ہیں بلند اور چشم نم ہے آجکل
شکر خدا ادا کرے مجھ سا نحیف وناتواں
مجھ پر تو فضل ایزدی بے کیف وکم ہے آجکل
رب العلا کے سامنے شام وسحر جبیں نیاز
بندہ ترا در حضور تسلیم خم ہے آج کل
تیرا کرم میں گن سکوں میرے لئے محال ہے
میرے خیال سے بلند تیرا کرم ہے آج کل
میری دعا تو کر قبول آنا مرا نہ ہو فضول
لب پر دعا ہے تیز تر اور دم بدم ہے آج کل
ہاتف نے دی صدا مجھے کچھ غم نہ کر دل حزیں
تیرا مقام تو بلند بیت السلم ہے آج کل

تھوڑی دیر اہل خیر کے ساتھ

پروفیسر محمد یونس نگرامی ندوی

یحییٰ بن معاذ بھی اپنے وقت کے بڑے عارف گزرے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں دنیا ایک ویرانہ ہے اور اس سے بھی ویران وہ دل ہے جو دنیا کو آباد کرے آخرت ایک آبادی ہے اور اس سے زیادہ وہ دل شاداب ہے جو اس کو آباد کرے۔

تمہارا بھائی وہ ہے جو تمہارے عیوب سے تم کو مطلع کرے، تمہارا دوست بھی وہ ہے جو گناہوں سے تم کو باز رکھے۔

فرماتے تھے ایک شخص اپنے مال کے ضائع ہونے پر بہت غمگین ہوتا ہے لیکن ہر روز زندگی کم ہوتی جارہی ہے۔ اس پر کوئی غم نہیں۔ رات لمبی ہوتی ہے لیکن تم اس کو اپنے سونے سے ضائع نہ کرو۔ دن روشن ہوتا ہے اس کو اپنے گناہوں سے تاریک نہ کرو۔

فرماتے تھے کہ عقلمند شخص وہ ہے جو دنیا کو چھوڑ دے۔ اس سے پہلے کہ دنیا اس کو چھوڑ دے اور اپنی قبر پہلے تیار کرلے اس سے پہلے کہ اس کو اس میں داخل کیا جائے اور اپنے رب کو راضی کرلے اس سے پہلے کہ وہ اس کی بارگاہ میں حاضر ہو۔

خالد بن یزید اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور عارف باللہ تھے۔ فن حدیث میں امتیازی مقام رکھتے تھے امام زہری نے آپ سے بھی روایت کی ہے۔ حق بات کہنے میں کسی سے خوف نہیں کھاتے تھے۔ خلیفہ عبدالملک بن مروان کو کئی مرتبہ بھرے دربار میں اس کی غلطیوں پر تنبیہ فرمائی۔

یاقوت رومی کا بیان ہے۔ ایک مرتبہ ان سے دریافت کیا گیا کہ انسان سے سب سے زیادہ کیا چیز قریب ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا موت۔ دوسرا سوال یہ کیا گیا کہ امید بندھانے والی کیا چیز ہے۔ جواب دیا عمل۔ پھر سوال ہوا، دنیا میں سب سے زیادہ وحشت کس چیز سے ہوتی ہے۔ ارشاد ہوا میت سے۔

ان سے دنیا کی حقیقت دریافت کی گئی تو فرمایا دنیا ایک منتقل ہونے والی میراث ہے۔ پس جو طاقتور ہے اس کو اپنے کمزور ہوجانے کا خطرہ لگا رہے اور مالداروں کو اپنے مفلس ہوجانے کا کتنی ہی طاقتور تو میں کمزوری وناتوانی کا شکار ہوگئیں۔ اور کتنے ہی مالداروں پر غربت کا سایہ بڑھنے لگا اور اگر کوئی شخص خود پسندی وخودرائی میں مبتلا ہے تو سمجھ لو کہ اس کا دوالیہ ہوچکا ہے۔

یحییٰ بن معین حدیث کے بہت بڑی امام گزرے ہیں۔ ان کے بارے میں امام یحییٰ بن حنبلؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہر وہ حدیث جس کو یحییٰ بن معین نہیں جانتے ہیں تو سمجھ لو کہ وہ حدیث نہیں ہے۔

علی بن مدینی کا کہنا ہے کہ تمام ائمہ حدیث کا ماخذ یحییٰ بن معین ہیں ابن رومی کا خیال تھا کہ مشائخ میں صرف یحییٰ ہی حق بات کہنے کے عادی ہیں۔

یہی یحییٰ بن معین ایک مرتبہ حج کی غرض سے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آستانہ نبوی پر بھی حاضری دی۔

ایک رات آپ نے خواب دیکھا کہ ایک پکارنے والا پکار رہا ہے۔ اے یحییٰ بن معین کیا تم میری رفاقت کو پسند کروگے۔"

مورخین کا بیان ہے کہ اس خواب کے بعد چند ہی دنوں میں مدینہ کی بابرکت زمین میں فن حدیث کا یہ آفتاب غروب ہوگیا۔

جس وقت جنازہ اٹھا ایک شخص پکار رہا تھا۔ "یہ ہے وہ شخص جس نے حدیث نبوی سے کذب کو دور کیا۔ ●●●

مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ

امریکی چیرہ دستیاں اور عزائم

دنیا کو امن و آشتی کا پیغام دینے اور دہشت گردی کی خلاف اقوام عالم کو جمع کرنے والی امریکی وہ قوم ہے جس نے ہیروشیما اور ناگا ساکی پر ایٹم بم برسایا، جنرل وال اسٹریٹ نے ۱۹۹۷ء میں اپنی ایک رپورٹ میں بتایا کہ ویت نام میں جو کیمیائی ہتھیار امریکہ نے استعمال کئے تھے ان کی وجہ سے پانچ لاکھ بچے معذوری کی حالت میں پیدا ہوئے، عراق میں مسلمانوں کے خلاف ۱۹۹۱ء میں ''آپریشن ڈیزرٹ اسٹورم'' کے نام سے ہونے والی کاروائی میں تقریباً چار سوٹن تابکار مادہ یورینیم استعمال کیا گیا، امریکی جریدے، ''سائنٹیفک امریکن'' کی رپورٹ کے مطابق عراق پر اتحادی افواج نے نو لاکھ سے زیادہ یورینیم والے شیل فائر کئے، فضائی حملوں میں امریکی افواج نے ایک ہزار عراقی ٹینک اور ۲۷۰۰ اہداف تباہ کئے۔ امریکہ کے جوہری توانائی کے ادارے AEA ٹیکنالوجی نے ۱۹۹۱ء میں رائل آرڈیننس لندن کو دستاویزات روانہ کیں جن میں لکھا تھا ''خلیج کی جنگ کے دوران امریکہ نے جتنا استعمال شدہ یورینیم عراق پر برسایا اگر اس کے بخارات اتحادی افواج سونگھ بھی لیتیں تو ان تمام پانچ لاکھ فوجیوں کے ہلاک ہونے کا خطرہ تھا'' عراق کے ان مسلمانوں کے بارے میں ذرا سوچئے جن پر براہ راست تابکار مادے کے یہ شعلے برسائے گئے ہیں۔

عراق کے تحفظ ماحولیات سوسائٹی کے صدر انجینئر ڈاکٹر لیس الکساب نے اگست ۱۹۹۱ء میں اقوام متحدہ کے ایک وفد کو یورینیم سے متاثرہ جگہوں کا معائنہ کرایا اور کویت، سعودی عرب اور عراق کی ماحولیاتی صورت حال پر مشتمل ایک دستاویز مرتب کرکے اقوام متحدہ کو ارسال کی۔ اقوام متحدہ نے کویت اور سعودی عرب سے متعلق ماحولیاتی رپورٹ شائع کی تاہم عراق کی ماحولیاتی صورت حال پر مشتمل رپورٹ کا حصہ دبا دیا گیا۔

نیٹو کے سکریٹری جنرل کے جاری کردہ بیان کے مطابق اتحادی افواج نے کوسوو میں (مسلمانوں کے علاقوں میں) گیارہ ہفتوں کے دوران یورینیم کے ۳۱ ہزار راؤنڈ فائر کئے جن میں ہر راؤنڈ ۳۰۰ گرام یورینیم پر مبنی تھا اور یوں نو لاکھ تیس ہزار گرام یورینیم کا تابکار مادہ ان مسلم علاقوں میں پھیلایا گیا۔ یاد رہے کہ یورینیم (Uranium) ایک تابکار مادہ ہے اور اس سے نکلنے والا ایک الفا ذرہ (Alpha Particle) بھی کسی شخص کو سرطان جیسے جان لیوا مرض میں مبتلا کرسکتا ہے۔

اور اب کلسٹر بموں اور تابکار مادے کی یہ برسات امارت اسلامیہ افغانستان پر شروع کی گئی ہے گویا کہ عالم اسلام کی زمین ایک ڈسٹ بن (Dustbin) ہے جو مغرب اور امریکہ کے ایٹمی فضلے کے لئے مصرف کا کام دے رہی ہے۔ ۷ اکتوبر سے افغانستان پر شروع ہونے والے امریکی حملے اب تک بغیر کسی وقفے کے مسلسل اور پوری شدت کے ساتھ جاری ہیں۔ ۱۱ ستمبر کے واقعات کو ان امریکی حملوں کا جواز بنایا گیا ہے لیکن اس حقیقت میں اب شبہے کی گنجائش نہیں رہی کہ افغانستان کی اسلامی حکومت پر حملے کے لئے امریکہ صرف ایک بہانہ تلاش کررہا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اسامہ بن لادن امریکہ کا ایک ایسا ہدف نہیں جس کے لئے امریکہ اپنے تمام وسائل کو بروئے کار لاکر اس قدر طویل جنگ کا آغاز کرے تو پھر امریکہ کا اصل ہدف کیا ہے؟

ا۔ کویت سے شائع ہونے والے

مشہور ہفت روزہ ''المجتمع'' نے اپنی حالیہ اشاعت میں یہ بات لکھی ہے اور اس میں تھوڑی بہت حقیقت بھی ہے کہ امریکہ وسطی ایشیا کی آزاد ریاستوں پر اپنا تسلط جمانا چاہتا ہے تاکہ وہاں موجود تیل اور گیس کے ذخائر سے وہ فائدہ اٹھاسکے۔ یہ خطہ تیل، گیس اور دوسری معدنیات کے ذخائر سے مالا مال ہے۔ لندن کے ماہر پٹرولیم وگیس جولین لی کی رپورٹ کے مطابق اس خطے میں دو سو ارب بیرل تیل موجود ہے جو تیل کے عالمی ذخیرے کا سولہ فیصد ہے اور چھ سو ارب (ساٹھ کھرب) کیوبک میٹر گیس اس خطے میں پائی جاتی ہے، گندھک کا عظیم ذخیرہ اس کے علاوہ ہے۔ ماہرین کے مطابق اس کی محتاط مقدار اتنی زیادہ ہے کہ وہ کئی دہائیوں تک عالمی فیکٹریوں کی بھٹیوں کو گرم رکھ سکتا ہے۔ سوویت یونین کے ختم ہوجانے کے بعد اس خطے میں امریکی کمپنیوں نے بڑے بڑے تجارتی معاہدے کئے، یہ معاہدے دس دس سال تک کے لئے کئے گئے ہیں جن میں کنوؤں کی کھدائی، تیل نکالنا، صاف کرنا اور پھر اسے برآمد کرنا شامل ہے۔ ستمبر ۱۹۹۹ء میں استنبول میں یوروپی یونین کا اجلاس منعقد ہوا اس میں یہ قرارداد منظور کی گئی کہ ستر کلومیٹر لمبی تیل کی پائپ لائن آذربائی جان، ترکمانستان اور قازقستان سے ہوتے ہوئے ترکی کی بندرگاہ ''جہاں'' سے بحر متوسط تک بچھائی جائے گی جہاں سے تیل دوسرے ملکوں کو برآمد کیا جائے گا۔ اس قرارداد پر اس وقت امریکہ کے صدر بل کلنٹن نے بھی دستخط کئے......تیل گیس اور معدنیات کے وسیع ذخیرے سے مالا مال ہونے کی وجہ سے یہ خطہ امریکہ کے لئے یقیناً کشش رکھتا ہے اس لئے سو سال پہلے سوچنے کی عادت رکھنے والے امریکہ کے پالیسی ساز ذہین اس خطے میں اپنے استحکام اور گرفت کے لئے مسلسل کوششوں میں مصروف ہیں اور چوں کہ ان کے زعم میں افغانستان میں طالبان جیسی اسلامی حکومت کی موجودگی میں یہ محاذ سر نہیں کیا جاسکتا اس لئے طالبان کی اسلامی حکومت کا خاتمہ امریکہ کا ایک ہدف بن گیا ہے۔

۲۔ لیکن ہمارے نزدیک موجودہ جنگ اس ہدف کے حصول کے لئے شروع نہیں کی گئی وسطی ایشیا کی ریاستوں کے مختلف ذخائر سے استفادے کی راہ میں طالبان کی اسلامی حکومت کو رکاوٹ شاید خود امریکی بھی نہیں سمجھتے، طالبان کی اسلامی حکومت نے اس طرح کے تجارتی معاہدوں کے لئے شروع ہی سے اپنے دروازے کھلے رکھے ہیں اور افغانستان میں کسی بھی دوسری حکومت کے مقابلے میں شریعت کی حدود کے اندر رہتے ہوئے وہ زیادہ بہتر اور دیانت دارانہ رویہ اختیار کرسکتی ہے۔ طالبان کی ایمان داری، دیانت، سچائی اور قول کی پختگی کا ان کا بدترین دشمن بھی انکار نہیں کرسکتا۔ امریکہ مذاکرات کے ذریعے اس ہدف کے حصول کے لئے سنجیدہ کوششیں کرسکتا تھا لیکن اس نے اس طرح کی کوئی سنجیدہ کوشش سرے سے کی ہی نہیں۔ ملکی اور قومی معاملات، تجارتی معاہدوں اور ترقیاتی کاموں کے سلسلے میں طالبان کا رویہ ہمیشہ انتہائی نرم، لچک دار اور مصالحانہ رہا ہے۔ جن لوگوں کو براہ راست طالبان سے معاملات کا تجربہ ہوا ہے وہ اس حقیقت کی گواہی دے سکتے ہیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ یہودی لابیوں اور مغرب کے متعصب ذرائع ابلاغ نے طالبان کے خلاف جو بالکل بے بنیاد پروپیگنڈہ کیا کہ طالبان اجڈ ہیں، جاہل ہیں، انتہا پسند ہیں، ہمارے بہت سے مسلمان صحافی بھی اس پروپیگنڈے کے زیر اثر آگئے اور وہ طویل طویل مضامین اور کالم لکھ کر اس پروپیگنڈے میں شریک ہورہے ہیں۔ انگریزی اخبارات وذرائع ابلاغ کی روشنی میں طالبان کو مشورہ دیتے ہیں، ان پر تنقید کرتے ہیں، ان میں ایسے اہل قلم کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں جنہوں نے کبھی خود جا کر طالبان سے براہ راست ان کا موقف معلوم کرنے کی زحمت کی ہو۔ طالبان کو مذاکرات کے ذریعے مسائل حل کرنے اور نرم و لچک دار رویہ اختیار کرنے کا مشورہ دینے والے دانشور اور صحافی اس حقیقت سے کیوں آنکھیں چراتے ہیں کہ امریکہ

نے اب تک اپنے تکبر، غرور اور طاقت کے زعم میں مبتلا ہونے کی وجہ سے ''طالبان'' کو اس قابل ہی نہ سمجھا کہ وہ ان کے ساتھ مذاکرات کی میز پر بیٹھ جاتے۔ ہمارے نزدیک یہ جنگ تہذیب، کفر اور اسلام کی جنگ ہے، جس کا اظہار امریکہ کے صدر بش نے اسے صلیبی جنگ کہہ کر کیا۔ درحقیقت اشتراکی فلسفے کی ناکامی کے بعد اسلام ہی روئے زمین پر ایک ایسا مذہب ہے جو اپنے بلند اخلاقی ومعاشرتی روایات اور روشن تعلیمات کی بدولت مغربی نظام زندگی کے بوسیدہ اور متعفن کلچر سے بیزار قوموں کو اپیل کرسکتا ہے۔ چند دن قبل اسی احساس اور خوف نے اٹلی کے وزیر اعظم سے یہ جملہ کہلوایا کہ ''مغربی تہذیب کو اسلامی تہذیب پر برتری حاصل ہے''۔ اسلام کی تہذیبی برتری کا یہ خوف امریکہ کے متعصب صلیبی ذہنوں میں بہت پہلے سے پایا جاتا ہے، رچرڈ نکسن نے جو امریکہ کا ایک طویل مدت تک صدر رہ چکا ہے آج سے تقریباً سولہ برس پہلے ایک مضمون لکھا جو امریکہ کے ماہنامہ ''فارن افیئرز'' (Forigen Affaires) میں شائع ہوا، یہ اس وقت کی بات ہے جب روس کا اشتراکی نظام ابھی بکھرا نہیں تھا۔ رچرڈ نکسن اپنے مضمون میں لکھتا ہے۔

''ہم امریکی جہاں روس کو اپنے مفادات کے خلاف اقدامات کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں وہاں ہمیں یہ بھی محسوس کرنا چاہئے کہ وہ دنیا میں پیدا ہونے والی تمام مشکلات کا ذمہ دار نہیں ہے، خام مال پیدا کرنے والی قوموں اور ان کو صرف کرنے والی قوموں کے درمیان پایا جانے والا آمدنی کا تفاوت، مسلمان بنیاد پرستوں کی انقلابی تحریک، لیبیا اور ایران سے ابھرنے والی دہشت گردی کی تحریک، یہ سارے مسائل ایسے ہیں کہ اگر روس بالفرض موجود نہ بھی ہوتا تب بھی یہ مسائل موجود ہوتے۔ روس کو چاہئے کہ وہ امریکہ اور دوسری مغربی اقوام کیساتھ ان مسائل سے نبرد آزما ہونے میں شریک ہوجائے روسیوں کو خاص طور پر مسلم بنیاد پرستی (Muslim Funamentalism) کے ابھار پر زیادہ تشویش ہونی چاہئے، صرف اس لئے نہیں کہ روس کی ایک تہائی آبادی مسلمان ہے بلکہ اس لئے بھی کہ تیسری دنیا کے عوام کی حمایت کے معاملے میں اسلامی انقلاب، اشتراکی انقلاب کا پورا حریف بننے کی صلاحیت رکھتا ہے''۔

اس اقتباس میں سابق امریکی صدر رچرڈ نکسن ایک طرف جہاں سرد جنگ کے زمانے میں اپنے حریف روس کو ''مسلم بنیاد پرستی'' سے ڈرا رہا ہے وہیں اس بات کا بھی اعتراف کررہا ہے کہ اسلامی انقلاب، اشتراکی نظام کا حریف بننے کی ناکامی کے بعد امریکی ذہن اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہے کہ مغربی تہذیب کے بالمقابل اسلام کے پاس ایک ایسا پرکشش نظام زندگی موجود ہے جو اسے کارگاہ حیات میں زبردست شکست سے دوچار کرسکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ۱۹۹۴ء میں چیچنیا کے مجاہدین نے روس کے خلاف اعلان جہاد کیا امریکہ نے اس انقلابی تحریک کے خلاف روس کی اقتصادی اور سیاسی طور پر خوب مدد کی اور تقریباً گیارہ ارب ڈالر بطور امداد روس کو دیئے۔

لارڈ کرومر نے اپنی کتاب ''مصر جدید'' (Modem Egypt) میں ایک جگہ انگریزوں کی سوچ کی بالکل صحیح ترجمانی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ!

''برطانوی حکومت کسی بھی حال میں ایک لمحے کے لئے بھی کسی آزاد اور خود مختار اسلامی حکومت کو گوارا کرنے کے لئے تیار نہیں تھی''۔

برطانیہ، مغرب اور امریکہ کی یہ پالیسی آج بھی جوں کی توں ہے اور روئے زمین پر ایک آزاد اور خود مختار ٹیٹھ اسلامی حکومت ایک لحہ بھی ان کے لئے قابل برداشت نہیں۔ طالبان کی اسلامی حکومت کے خاتمے کے لئے امریکہ اور برطانیہ کے موجودہ حملے اسی عدم برداشت کا تاریخی تسلسل ہیں۔ یہ سب علامہ اقبال کی شہرہ آفاق نظم ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' میں ابلیس کے اس تصور سے متفق ہیں کہ:

جانتا ہوں میں جو رنگ گردش ایام ہے
مزدکیت فتنہ فردا نہیں، اسلام ہے

●●●

پروفیسر محمد اجتباء ندوی

شیخ بدیع الزماں سعید نورسی

اور ان کی جماعت نور

''مرد بیمار'' کی بیماری کا یقین تو اٹھارہویں صدی کے اوائل میں ہوسکا لیکن ۱۶۸۳ء میں ''ویانا'' (آسٹریا) کے محاصرہ میں ناکامی کے بعد اسے بیمار بنانے اور بیماری کے اعلان کرنے کا آغاز کیا جاچکا تھا، اس ''تشخیص'' کے بارے میں اہم کردار حسب عادت ومعمول شیر دل رچرڈ کا وطن عظیم تر برطانیہ نے ادا کیا، تھرمامیٹر اور تشخیص کے آلات فراہم کرنے میں یہودی وصیہونی اور ماسونی عناصر نے بڑی سرگرمی دکھلائی، فرانس وروس نے نرسنگ ومیڈیسن کی فراہمی کا کام انجام دینے کی ذمہ داری قبول کی، برطانیہ کا مقصد اس ''مرد بیمار'' کو قطعی طور پر سے موت کی نیند سلانا نہیں تھا، بلکہ اس کی حزین بیماری کا اعلان کرکے اسے بیکس، لاچار، بے بس اور ناکارہ ثابت کرکے مکمل سرپرستی حاصل کرنی تھی، پھر اس کی عظمی ووسیع سلطنت کو اس انداز سے باہم تقسیم کرلینا تھا کہ اس کا ایک چھوٹا سا علاقہ بچ رہے جو ترکی کہلائے، مگر اس کے باشندے مسلمان کے بجائے لامذہب اور دین بیزار بنادئے جائیں اور بڑی ذمہ داری وہوشمندی سے درہ دانیال کو روس کے لئے مسدود رکھیں، اس مقصد کے لئے برطانیہ کو کم از کم دوسو سال انتظار کرنا پڑا، اس نے اپنے حاشیہ بردار اور اس کے فلک میں گردش کرنے والے ملکوں کے ساتھ خلافت عثمانیہ کے ارد گرد مضبوط ''حصار'' قائم کیا اور اس کا دائرہ تنگ کرتے گئے اس دوران ان ممالک نے بڑی تگ ودو اور جانفشانی کے بعد ایک طالع آزما، حوصلہ مند اور تابعدار ڈھونڈ نکالا، اس جیالہ نوجوان کی تربیت وٹریننگ میں بڑی دولت، عقل وتدبر اور حکمت استعمال کرنی پڑی، یہ ڈونمہ، کے ایک گاؤں کا چست وچالاک لڑکا تھا جسے مصطفیٰ کمال کا نام دیا گیا اور اس نے ان ممالک کی نگرانی وسرپرستی میں بڑی چالاکی وچابکدستی سے خلافت عثمانیہ اسلامیہ کو ختم کرنے کا کام انجام دیا، اس کو صلہ میں اسے ''اتاترک'' کا خطاب بھی دے دیا گیا، اس مقصد میں تاخیر اس وجہ سے ہوگئی کہ تخت عثمانی پر سلطان عبدالحمید ثانی جیسا بیدار روشن ضمیر، زمانہ شناس، دردمند اور اسلامی اتحاد کا علم بردار خلیفہ رونق افروز ہوگیا جس نے تینتیس (۳۳) برس کی حکمرانی کے دوران ہر سازش اور ہر تدبیر کو ناکام بنادیا، ''مرد بیمار'' کو اتنی نفع بخش دوائیں مہیا کردیں کہ مرض الموت کے بعد بھی چوتھائی صدی (۲۵ سال) تک زندہ وتابندہ رہا اس کے جانشین تو مغرب کی زہریلی دواؤں کو برداشت نہ کرسکے، لیکن خلافت عثمانیہ کے کچھ عناصر سلطان عبدالحمید ثانی کی روشن ضمیری سے اپنے دلوں کو منور کرنے میں کامیاب ہوگئے، تاہم یہ عناصر مصطفیٰ کمال اتاترک کو ۱۹۲۴ء میں خلافت کو ختم کرنے سے باز نہ رکھ سکے اور یورپ کو ترکی کے تقسیم سے بھی نہ روک سکے لیکن ترکی قوم کے قلب وضمیر کو اعلیٰ اقدار، اسلامی عظمت اور شکوہ ترکمانی سے آشنا وشناسا رکھنے میں کامیاب رہے جس کی نورانیت آج نمایاں طور سے محسوس ہورہی ہے۔

برطانوی ریشہ دوانی اور عیاری کی مزید وضاحت کے لئے استاذ احسان حقی کا بیان فائدہ سے خالی نہ ہوگا ایک اقتباس کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

''جو بھی مصطفیٰ کمال کے انقلابی اقدام پر غور کرے گا اسے معلوم ہوجائے گا'' کہ اس انقلاب میں انگریزوں نے تین جہتوں میں مرکزی کردار ادا کیا ہے۔

جہت اول...... مصطفیٰ کمال جن کی سرپرستی سے اس اعلیٰ منصب تک پہونچے میں اسے پورا تعاون ملا، اس شرط پر کہ وہ خلافت کے خاتمہ کا بیڑا اٹھائے، اور ترکی میں وہ سب کچھ کرے جو اس سے کہا جائے، اس نے بڑی تابعداری سے ان کے منصوبہ کو عملی جامہ پہنایا۔

جہت دوم...... یونان جو جنگ میں ان کا حلیف تھا لیکن مال غنیمت سے محروم رہا تھا، اسے ایک ایسی مہم سر کرنے کے لئے مجبور کردیا گیا جس کے بارے میں یقین تھا کہ ناکامی مقدر ہے اسے ''ازمیر'' پر قبضہ

کر لینے کے لئے آمادہ کیا گیا اور لالچ یہ دی گئی کہ اس مال غنیمت کا وہ تنہا مالک ہوگا مگر واقعہ یہ تھا کہ انگریز یونانیوں کو کامیابی کا کوئی موقع نہیں دینا چاہتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ترکی کی کسی بھی زمین پر قبضہ کر لینے کا مطلب ہے کہ وہ روس کے زیر اقتدار آجائے گی اس لئے کہ دونوں قومیں آرتھوڈکس ہیں اور روس دنیا میں آرتھوڈکسی کا سرپرست تھا، لیکن اصل مقصد یہ تھا کہ اس طور سے مصطفیٰ کمال کو اپنے ملک کے ایک خطہ کو آزاد کرا کے ہیرو بنانا تھا۔

جہت سوم...... خود خلافت عثمانیہ جس کو سلطان اور مصطفیٰ کمال کے مابین تفرقہ اور پھوٹ ڈالنے کا ذریعہ بنانا تھا، انگریز اپنے اس ڈرامائی کردار میں کامیاب رہے۔

مذکورہ بالا تینوں فریقوں میں صرف مصطفیٰ کمال اس مقصد سے واقف تھا اور نتیجہ پر بھی اس کی نظر تھی، اس لئے کہ اس کا رابطہ انگریزوں سے ۱۹۱۷ء سے قائم تھا، جب وہ فلسطین کے محاذ پر عثمانی دستہ کا سربراہ تھا، مجھے ابراہیم بک ابن صبری بن صبری آفندی شیخ الاسلام نے بتایا کہ ''مصطفیٰ کمال سے اس بارے میں انگریزوں نے اس وقت رابطہ قائم کیا جب وہ فلسطین میں فوجی کمانڈر تھے انہیں سلطنت کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا اور یقین دلایا کہ وہ ''ان کی پوری مدد کریں گے، مصطفیٰ کمال نے اس یقین دہانی کے بعد اپنے ساتھیوں میں سے دو عثمانی سرابراہوں سے اس سلسلہ میں گفتگو کی (ابراہیم نے دونوں فوجی سربراہوں کے نام مجھے بتائے تھے مگر بھول گیا، کیونکہ انہیں لکھا نہیں تھا، اس خیال سے بھی کہ مجھے توقع نہیں تھی کہ کبھی اس کی ضرورت پیش آئے گی) ان دونوں فوجی سربراہوں نے جب مصطفیٰ کمال کی بات سنی تو سخت ناپسند کیا اور بڑی جسارت وخطرہ کی بات قرار دی، دونوں نے بیک زبان کہا:

''تم نے بغاوت یا نافرمانی کا اقدام نہیں کیا ہے کہ جس سے پھانسی کی سزا دی جائے اس لئے ہم اس بات کو راز میں رکھتے ہیں اور تمہیں مشورہ دیتے ہیں کہ تم بھی اس بات کو بھول جاؤ اور آئندہ پھر ہم سے اس طرح کا کوئی جملہ نہ کہنا اور نہ ہم دوبارہ اس طرح کی بات تم سے سنیں گے۔

ان دونوں سربراہوں کی حد تک تو یہ بات ختم ہوگئی، لیکن مصطفیٰ کمال جو عثمانی فوج کا سربراہ بن چکا تھا وہ انگریزوں کی اس سازش میں شریک ہو کر خیانت کرنے پر آمادہ ہوگیا اور اس نے اپنے ساتھیوں کو قابل اعتناء نہیں سمجھا یہ بھی بعید نہیں ہے کہ انگریزوں نے ہی بالواسطہ طور سے سلطان پر زور ڈالا ہو کہ مشرقی اناضول کی فوجوں کا اعلیٰ سربراہ مصطفیٰ کمال کو بنا دیں اور اس طرح اس کے لئے سازش کی تکمیل آسان ہوجائے''۔

اقتباس طویل ہوگیا لیکن ترکی کی متنازعہ صورت حال کے پیش نظر وضاحت ضروری تھی، سلطنت عثمانیہ کے زیر نگیں تمام ممالک کے باشندوں کو یورپ کی ریشہ دوانیوں، سلاطین کی کوتاہیوں، اعلیٰ مقاصد سے روگردانی اور سلطنت کی سیاسی، سماجی، معاشی، اخلاقی اور دینی کمزوریوں کا اندازہ ہوچکا تھا، ''انجمن اتحاد وترقی'' کے قیام ومقاصد کے اعلان سے امید کی کرن نظر آتی تھی، لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں باشعور اور تعلیم یافتہ طبقہ نے محسوس کر لیا کہ سلاطین کے ظلم وجور واستبداد وزور زبردستی کے ختم کرنے کے بجائے اتحاد وترقی اپنی حکمرانی کے لئے راہ ہموار کر رہی ہے اور اس کا قبلہ مشرقی قدریں نہیں بلکہ مغربی فکر ودانش اور تہذیب وتمدن ہے، چنانچہ علماء کی جماعت میں سے چند حضرات نے دونوں فریقوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی اور اتحاد وترقی کی ہم نوائی کی جن میں سب سے نمایاں مشرقی اناضول کے ممتاز عالم سعید نورسی تھے، جن کے علم وفضل اور حکمت ودانائی کو محسوس کر کے ان کے اساتذہ نے انہیں ''بدیع الزماں'' کا خطاب عطا کیا، رفتہ رفتہ ان کی اہمیت اور شہرت پورے ملک میں عام ہوگئی اور وہ نہ صرف سلاطین بلکہ فوج، اتحاد وترقی اور آخر میں مصطفیٰ کمال اتاترک کی نظر میں بھی قابل قدر بن گئے، انہوں نے درس وتدریس اور وعظ وارشاد کے ساتھ ملکی سیاست اور سلطنت کے امور سے بھی دلچسپی لی اور علماء کے بورڈ اور مجلس شوریٰ کے رکن بھی رہے۔

شیخ سعید مرزا نورسی مشرقی اناضول کے صوبہ بدلیس کے ایک گاؤں ''نورس'' کے ایک کرد خاندان میں ۱۲۹۳ھ مطابق ۱۸۷۳ء میں پیدا ہوئے، ان کا گھرانہ کاشتکار تھا دیندار اور علم آشنا تھا اپنے والد مرزا کے آغوش تربیت میں چند سال گزارے اس کے بعد اپنے بھائی ملا عبداللہ سے صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، غیر معمولی ذہانت اور قوت حافظہ کی بناء پر بہت جلد اتنی صلاحیت پیدا کر لی جس سے علوم وفنون کی کتابیں پڑھنے اور سمجھنے لگے۔ اصول فقہ کی کتاب ''جمع الجوامع'' اور صرف ونحو کی کتاب ''حل المعاقد'' ایک ہفتہ میں یاد کر لی، اس کے بعد ترکی کے شہر ''سعرت'' جا کر ملا فتح اللہ سے دو ماہ اور ''مکس'' میں ملا عبدالکریم سے دو ماہ پڑھا، پھر ''بایزید پہونچ کر باقاعدہ تعلیم شروع کی، شیخ محمد جلالی سے عربی زبان وعلوم کی کتابیں پڑھیں، اپنے اطمینان قلب کے لئے متعدد علماء ومشائخ کے حلقوں اور مدرسوں میں حاضری دی جب اطمینان ہوگیا کہ جو کچھ سیکھا ہے وہ درست اور صحیح ہے تو ان کے استاذ شیخ محمد جلالی نے سند فراغت عطا کی، اپنے بھائی ملا عبداللہ سے ملاقات کے لئے شیروان گئے ایک سال سے ملاقات نہیں ہوئی تھی، ملا عبداللہ نے اپنے چھوٹے بھائی سعید کے علم وفضل اور ذہانت وصلاحیت کو دیکھ کر بڑی مسرت کا اظہار کیا، ان کی بڑی ہمت افزائی کی، بھائی کی صحبت میں دو ماہ گزار کر پھر حصول علم کے لئے ''سعرت'' روانہ ہوگئے، اور ملا فتح اللہ کے حلقہ میں شریک ہوئے، ان کے استاذ اور دیگر علماء نے انہیں تدریس اور وعظ وارشاد کی اجازت دے دی، چنانچہ انہوں نے ۱۸۹۲ء میں شہر ''ماردین'' کی جامع مسجد میں پڑھانا اور لوگوں کے مسئلوں اور فتوؤں کا جواب دینا شروع کیا، بعض حاسدوں نے ان کی مقبولیت کو دیکھ کر حاکم شہر سے ان کی شکایت اور بدگوئی کی، حاکم نے ان کو شہر بدر کر کے ''بدلیس'' روانہ کر دیا وہاں پہونچ کر وہ مزید علمی مطالعہ میں منہمک ہوگئے، ۱۸۹۰ء میں شہر ''وان'' منتقل ہوئے اور عصری علوم ریاضی فلکیات، کیمیاء، فزکس، جیالوجی، فلسفہ اور تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا، اس سے انہیں علمی وفکری امتیاز حاصل ہوگیا، اسی دوران انہوں نے برطانوی نوآبادیوں کے وزیر مسٹر گلادستن کا ایک بیان مقامی اخبارات میں پڑھا جس کا ماحصل یہ تھا کہ ''جب تک یہ قرآن مسلمانوں کے پاس موجود ہے ہم ان کے ملکوں میں اپنی حکمرانی قائم نہیں کر سکتے، اس لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ ہم یا تو قرآن مجید کو غائب کر دیں یا اس سے مسلمانوں کا رشتہ توڑ دیں'' اس بیان نے ان کے دل ودماغ کو ہلا کر رکھ دیا اور ان کی نیند حرام کر دی، انہوں نے اپنی غیر معمولی ذہانت اور گہری بصیرت سے محسوس کیا کہ معاملہ انتہائی سنگین ہے۔ مغرب نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بھرپور اور مکمل منصوبہ تیار کر لیا ہے ان کی عقیدہ ودین اور مقدسات پر حملہ آور ہونے کے لئے سازش تیار کر رہا ہے، وہ ۱۸۹۶ء میں استنبول گئے اور مشرقی اناضول میں الزہراء کے نام سے ایک اسلامی یونیورسٹی کے قیام کا جامع منصوبہ پیش کیا، یونیورسٹی کے نظام تعلیم اور نصاب درس میں اسلامی علوم کی تعلیم کے علاوہ اسلامی حقائق کی نشر واشاعت کو شامل کیا، اور مسلمانوں کو سائنس وٹکنالوجی حاصل کرنے کی دعوت دی، اور اس پر زور دیا کہ مسلمانوں کو اپنی مادّی ومعنوی زندگی کو ترقی یافتہ بنانا از حد ضروری ہے لیکن افسروں اور حکمرانوں نے اس بارے میں ان کا کسی قسم کا تعاون نہیں کیا، اس کی ایک وجہ جنگ عظیم کا آغاز بھی ہے وہ مایوس ہو کر مشرقی علاقہ میں واپس آگئے اور زیادہ وسیع پیمانہ پر علمی واصلاحی کام شروع کیا، ۱۹۰۷ء میں دوبارہ استنبول کا رخ کیا اس وقت تک ان کے علم وفضل اور اصلاحی سرگرمیوں کی شہرت پہونچ چکی تھی، علماء اور عوام نے ان کا زبردست استقبال کیا ان سے ملاقات اور تبادلۂ خیال کے بعد ایک عالم نے کہا کہ ''شیخ سعید کا علم کسبی نہیں لدنی ہے'' استنبول میں انہوں نے سلطان عبدالحمید سے ملاقات کر کے دینی مدرسوں کے قیام کے ساتھ ساتھ سائنس اور ٹکنالوجی کے اسکول وکالج قائم کرنے کا مشورہ دیا، اور اس کی بڑی پرزور وکالت کی، اسلامی شوریٰ کے قیام اور شریعت کے مکمل نفاذ کا مطالبہ کیا اس سلسلہ میں ذمہ داروں سے ملاقاتوں کے علاوہ اخبارات ورسائل میں مضامین لکھے اور عوام میں تقریریں کیں، ان کی مقبولیت کو دیکھ کر ''انجمن اتحاد وترقی'' نے انہیں اپنا ہم نوا بنانا چاہا اور ہر طرح کی کوشش کر ڈالی مگر شیخ بدیع الزمان نے انجمن کی سرگرمیوں کو شک کی نگاہ سے دیکھا اور اسے اسلام وشریعت کا معاند

ومخالف قرار دیا اور اس کے اراکین سے کسی قسم کے تعاون کو ناپسند کیا اور جب انجمن اتحاد وترقی نے ۱۹۰۹ء میں انقلاب کے ذریعہ سلطان عبدالحمید ثانی کو معزول کردیا تو اس کی خلافت اسلامیہ سے دشمنی اور بین الاقوامی صیہونی ماسونی (فری میسن) سے اس کے گٹھ جوڑ کا اندازہ ہوگیا، انہیں گرفتار کرلیا گیا، مگر عدالت میں اپنی بے گناہی کے سلسلہ میں اتنے ٹھوس ثبوت فراہم کیے کہ عدالت ان کو رہا کردینے پر مجبور ہوئی، انہوں نے اس کے بعد "وان" میں قیام کیا اور مضامین وکتابیں لکھنی شروع کیں، ۱۹۱۱ء مین انہوں نے شام کا دورہ کیا اور جامع بنی امیہ دمشق میں بڑی موثر اور بلیغ تقریر کی جو "خطبہ شامیہ" کے نام سے مشہور ومقبول ہوئی دمشق میں قیام کے دوران علماء وزعماء سے ملاقاتیں کیں، عوام میں تقریریں کیں، شیخ سعید دمشق سے تازہ دم ہوکر واپس ہوئے اور بڑی جرات وحوصلہ سے ترکی عوام وحکمراں طبقہ کی اصلاح کا جامع پروگرام بنایا، جنگ عظیم شروع ہوچکی تھی شیخ سعید کی رائے تھی کہ ترکی جنگ میں شریک نہ ہو مگر اچانک روس کے حملہ کردینے کی وجہ سے انہیں خود جنگ میں شریک ہونا پڑا انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ روس سے مردانہ وار جنگ کی اور ایک معرکہ میں زخمی ہوکر گرفتار ہوگئے ڈھائی سال قید کی مشقت برداشت کرنے کے بعد رہائی پائی، ترکی واپس ہوئے یہاں کے حالات بدل چکے تھے انہوں نے اتحاد وترقی کے اراکین اور مصطفیٰ کمال اتاترک سے تحریری وبالمشافہ گفتگو کے ذریعہ اصلاح حال کی کوشش کی مگر جب کمال اتاترک نے استبداد، جبر وقہر اور ظلم کا رویہ اختیار کیا تو مخالف ہوگئے، حکمرانوں نے انہیں ۱۹۲۳ء میں ایک شہر "بارلا" جلاء وطن کردیا، وہاں انہوں نے "النور" کے نام سے ایک جماعت قائم کی اور نوجوانوں کی تربیت شروع کی۔

جب ۱۹۳۲ء میں عربی زبان میں اذان اور مسجدوں وعلماء پر پابندیاں عائد کی گئیں تو انہوں نے حکومت وقت کے خلاف زبردست تحریک چلائی، اور ترکی میں اسلام کی بقاء وتحفظ کے لئے متعدد کتابیں لکھیں، شہروں وگاؤں میں اصلاحی ودعوتی کام بھی جاری رکھا، اسی حال میں ۲۵ر رمضان ۱۳۷۹ھ مطابق ۲۳ر مارچ ۱۹۲۰ء کو یہ مجاہد جلیل اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔

ان کی جماعت نور مشرقی اناضول کے علاوہ ترکی کے دوسرے شہروں انقرہ واستنبول میں بھی عام ہوگئی تھی اور ان کے شاگردوں ومریدوں نے عرب ممالک میں بھی اس کا تعارف کرایا، ان کے رسائل ولٹریچر قدر کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے۔

جب ۱۹۰۸ء میں انجمن اتحاد وترقی قائم ہوئی تھی تو اس نے بظاہر دین کے تحفظ اور سلاطین کے ظلم وجور سے ملک وقوم کی حفاظت کا نعرہ بلند کیا لیکن درحقیقت اسے دین سے کوئی سروکار نہیں تھا، بلکہ اس کے نوجوان کارکنوں کا مقصد خالص سیاسی تھا۔ سلاطین کو معزول کرکے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے کر ملک کو مغربی راہ ورسم پر گامزن کرنا مقصود تھا، عوام اور نوجوان اس کے بلند وبانگ دعوؤں سے متاثر ہوئے شیخ سعید نوری نے اس کے ہولناک خطرہ سے آگاہ کرنے اور ملک کو مغربی سازشوں سے بچانے کے لئے "انجمن اتحاد محمدی" قائم کی تھی اور اتحاد وترقی ہی کی آواز وعقائد سے وابستہ کیا اور سحرانگیز وشعلہ بار مقالات لکھنے شروع کئے، ان کا کہنا تھا کہ:

"اگر ہم نے اس آزادی کو نہ اپنایا جس کا تانا بانا اسلام نے بنا ہے تو ڈکٹیٹر شپ اور غلامی اپنی بدنما شکل میں ہم کو گھیر لے گی اور ہم بہت "جلد آزاد روی اور دین بے زاری کے جال میں پھنس جائیں گے۔"

شیخ بدیع الزمان سعید نوری کے اس اسلوب وانداز نے انجمن اتحاد وترقی کے سرپرستوں کو الجھن وتشویش میں مبتلا کردیا کیونکہ ترکی عوام میں انجمن پر اعتماد متزلزل ہونے لگا، چنانچہ ماسونی محفل نے ایک دانشور دولتمند یہودی "قوصو" کو شیخ سعید سے ملاقات اور تبادلہ خیال کے لئے بھیجا، وہ ان کی قوت استدلال سے گھبرا کر کمرہ سے باہر نکل آیا، اور کہا کہ: "اس عجیب آدمی نے تو اپنی مدلل گفتگو کے ذریعہ مجھے اسلام تک پہونچا دیا تھا!"

۱۹۰۹ء میں جماعت نور نے اپنے سربراہ شیخ سعید نوری کی قیادت میں انجمن اتحاد وترقی کے خلاف آواز بلند کی چنانچہ ۳۱ر مارچ کو جماعت کے پندرہ اراکین کو

پھانسی دے دی گئی اور شیخ سعید نوری کو گرفتار کرلیا گیا، عدالت میں پیش کئے گئے، تو چیف جسٹس خورشید پاشا کے سوال کا جواب دیتے ہوئے جرأت ایمانی اور حق گوئی کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا، ظلم وجبر، بے راہ روی، ملی، قومی اور دینی خیانت پر گفتگو کرتے ہوئے آخری جملہ فرمایا:

"میں اب یہ کہتا ہوں کہ جس طرح کسی باوقار عالم کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ ناچنے گانے والوں کا لباس پہنے، اسی طرح استنبول کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ یورپ کے کردار وطرز معاشرت اور نظام کو اپنائے "انہیں جیل بھیج دیا گیا، مگر کچھ ہی عرصہ کے بعد رہا کردیا گیا، لیکن تاحیات قید وبند اور ایذاء رسانی کا سلسلہ جاری رہا، جس سے ان کی اور ان کی جماعت کو مقبولیت ہی حاصل ہوتی رہی جماعت کی بنیادی مقاصد حسب ذیل تھے:

توحید، ایمان، قرآن، حشر پر ایمان ویقین، اور ان شکوک وشبہات کا ازالہ جو اسلام کے بارے میں اٹھائے جائیں، انہیں اصول واقدار کی روشنی میں فرد، معاشرہ اور حکمراں طبقہ کی اصلاح کا کام کیا، اور اسی سے متعلق ایک سو پینتیس رسالے وکتابیں تصنیف کیں، جن میں سے چند کے نام یہ ہیں:

اشارات الاعجاز، الصیقل الاسلامی، المثنوی العربی، التفکیر الایمانی، ذو الفقار، رائد الشباب، الخطبة الشامية، قزیل ایجاز علی سلم المنطق، رسالة الحشر رسالة السنة الشریفة، رسائل، النور تفسیر قرآن کریم، وغیرہ، ترکی زبان میں بھی کئی کتابیں، رسالے اور مکتوبات لکھے۔

شیخ سعید کو آخری بار جب گرفتار کیا گیا تو ان پر مندرجہ ذیل الزامات عائد کئے گئے:

۱۔ انہوں نے ایک خفیہ تنظیم قائم کی ہے۔

۲۔ انہوں نے مصطفیٰ کمال کے انقلاب کو ناکام بنانے کی کوشش کی ہے۔

۳۔ اتاترک کو دین دشمن، فریب کار، اور بے وقوف کہا ہے۔

۴۔ ان الزامات کے ثبوت میں انہوں نے احادیث نبویہ کا حوالہ دیا ہے۔

۵۔ ترکی میں دینی روح واسلامی فضا ہموار کرنے کے لئے جدوجہد کی ہے۔

دس مہینہ کے مقدمہ وپیشی کے بعد انہیں باعزت بری کردیا گیا تھا۔

شیخ سعید نوری کے خلاف علمی وفکری محاذ آرائی بھی ہوئی مگر جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں ان کی قوت استدلال نے سب کو زیر کردیا، اسی درمیان مصر کے مفتی اعظم شیخ بخیت مطیعی استنبول آئے، ان سے کچھ لوگوں نے شیخ سعید سے مناظرہ کے لئے کہا مفتی صاحب تیار ہوگئے، نماز عصر کے بعد دنیائے اسلام کے حالات پر گفتگو شروع ہوئی، اس دوران مفتی بخیت نے اچانک شیخ سعید سے سوال کیا کہ: سلطنت عثمانیہ میں آزادی رائے وفکر اور مغربی تہذیب وتمدن کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ شیخ سعید نے بلاتردد جواب دیا: عثمانی سلطنت حاملہ ہے کسی بھی روز مغربی بچہ کو جنم دے سکتی ہے، اور یورپ کے بھی پیر بھاری ہیں کسی بھی دن اسلام کا ظہور ہوسکتا ہے" اس جواب کو سن کر شیخ بخیت نے بے اختیار کہا کہ مجھے ان سے اتفاق ہے اور میری بھی یہی رائے ہے اس نوجوان سے مناظرہ کرنا ناممکن ہے"

جماعت نور، عالم اسلام کی ایک ایسی منفرد جماعت تھی کہ جس نے اپنی تحریک کا آغاز سیاست سے کیا مگر آخر میں سیاست کو شیطانی عمل قرار دے کر تعلیم تربیت اور خانقاہی طریقہ اخیار کیا۔ شیخ بدیع الزماں سعید نوری کی وفات کے بعد جماعت نور آزمائشوں اور اختلاف کا شکار ہوگئی اور تین گروہوں میں تقسیم ہوگئی:

۱۔ ایک گروہ رفاہ پارٹی میں ضم ہوگیا۔

۲۔ دوسرے گروہ نے "ملی نظام" کے نام سے ایک پارٹی بنالی۔

۳۔ تیسرے گروہ نے عدالت پالٹی کی تائید کی، اور جماعت کے اصول وضوابط کا پابند نہیں رہا، مگر مادی وسائل سے مالا مال ہے، جو "جدید ایشیا" کے نام سے ایک روزنامہ بھی نکالتا ہے، لیکن ان گروہوں کا اثر ورسوخ بہت کم ہے۔

جماعت نور کے کچھ افراد صلاح وتقویٰ کی جانب زیادہ راغب تھے انہوں نے خانقاہ کو آباد کیا اور مدرسے قائم کئے، انہیں میں سے (اسماعیل او) کے سربراہ شیخ محمود ہیں جن کی شخصیت، مدرسہ اور خانقاہ علم وعمل کا گہوارہ ہے عالمی رابطہ ادب اسلامی